151
سیریز
انونی کھیل
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
اشتیاق احمد

سیریز
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
151
قانونی کھیل

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

خلوص:

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

اس بار کی دو باتوں میں اپنے ایک قاری کا خط پیش کرنے پر مجبور ہوں —

ڈیرانکل اشتیاق احمد، السلام علیکم —

آپ کا نیا خاص نمبر "آبنائے مُہم" پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ دراصل میں عرصہ تین سال بعد مغربی جرمنی سے آیا ہوں۔ اس دوران آپ کے جتنے ناول چھپے، اپنے دوست کی معرفت منگواتا رہا۔ ایک دن میں آپ کا خاص نمبر "بیگال مشن" پڑھ رہا تھا کہ ہمارے پڑوس میں جو جرمن عورت رہتی ہے، اس نے مجھ سے کہا: تم ہر وقت یہ کیا پڑھتے رہتے ہو، آج مجھے بھی سناؤ — میں نے اسے جرمن زبان میں پڑھ کر سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئی اور اس کے بعد اس نے مجھ سے اُردو پڑھنا لکھنا شروع کی۔ اور اب وہ آپ کے ناول پڑھنے کے قابل ہو گئی ہے۔ میں چونکہ آج کل یہاں آیا ہوا

ہوں۔ اس لیے میں بھی اسے ناول بھیجتا ہوں۔ اور
اب آپ کو مبارک ہو۔ وہ مسلمان ہو چکی ہے اور
یہ جذبہ اس میں "بنگال مشن" پڑھ کر پیدا ہوا ہے،
لیکن اب وہ چاہتی ہے کہ اس کا اسلامی نام آپ
تجویز کریں، کیوں کہ آپ کے ناول پڑھ کر وہ مسلمان
ہوئی ہے۔ اس لیے مہربانی فرما کر آپ اس کا اسلامی
نام تجویز کریں۔ فقط: سہیل سراج دین، گلی نمبر ۲،
مکان نمبر ۲، گورو ارجن نگر نزد گھاس منڈی، شاہ عالم گیٹ
لاہور۔

خط آپ نے پڑھ لیا، آپ کو یقین نہیں آیا ہو گا۔
مجھے بھی نہیں آیا، لیکن یقین کر لینے کو جی بہت
چاہتا ہے۔ اللہ کرے یہ سچ ہو۔ آمین۔ سہیل سراج
دین صاحب کو خط لکھا ہے۔ ان کا تفصیلی جواب آنے
پر ہی مزید اطمینان نصیب ہو گا۔

دعوت نامہ

"ہم ہر سال موت کا ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ اس کھیل
میں ہر بار ایک آدمی قتل بھی ضرور ہوتا ہے، لیکن
اس کے باوجود قانون آج تک کوئی اعتراض نہیں کر
پایا۔ کسی ساتھی کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ ہم ہر مرتبہ
کسی قانون دان کو بھی اس کھیل میں دعوت دیتے ہیں،
لیکن اس بار ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں، آپ
ہمارے ملک کے نامور ترین سراغ رساں ہیں۔ ہم
چاہتے ہیں۔ اس مرتبہ اس کھیل کے مہمان خصوصی آپ
ہوں۔ اگر آپ کو ہماری دعوت قبول ہے تو مہربانی فرما
کر فون پر اطلاع دے دیں تاکہ ہم آپ کے استقبال
کی تیاری کر لیں۔ آپ کو اس مہینے کی سات تاریخ کی
شام کو یہاں پہنچنا ہو گا۔ اور وہ کھیل ٹھیک سات بجے
کھیلا جائے گا۔

انچارج قانونی کھیل :

سرور طوفانی ، قصبہ جانی ۔"

دعوت نامہ پڑھ کر انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا ، یہ دعوت نامہ ڈاک کے ذریعے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مِلا تھا۔ انسپکٹر جمشید ابھی دفتر سے نہیں آئے تھے :

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ، ایک انسان قتل ہو جائے اور قانون کے کان پر جُوں تک نہ رینگے ۔ گویا یہ لوگ "قانون کے دائرے میں رہ کر قتل کرتے ہیں ۔ لیکن "قانون کا ایسا دائرہ ہمارے مُلک میں نہیں ہے ۔" محمود نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

" ان لوگوں کا دعویٰ تو یہی ہے ۔ کہ دائرہ موجود ہے ۔" فرزانہ بولی ۔

" ہو سکتا ہے ، یہ خط ہمیں پھانسنے یا کسی معاملے میں اُلجھانے کے لیے لکھا گیا ہو ۔ اور ایسی کوئی بات سِرے سے نہ ہو۔" فارُوق نے خیال ظاہر کیا۔

" اس کا مطلب ہے ۔ ہمیں قصبہ جانی میں جانا ہی ہوگا۔" محمود بولا ۔

" اگر یہ قصبہ ہمارے مُلک میں شامل ہے ۔ تو یہاں قانون بھی ہمارے مُلک کا ہی چل سکتا ہے ۔ اور اگر یہ قصبہ کسی آزاد ریاست کا ہے تو پھر اور بات ہے ۔" فارُوق نے جلدی

جلدی کہا ۔

" معاملہ ہمارے مُلک کا نہ ہوتا تو یہ انچارج صاحب ہمیں کیوں لکھتے ۔ اپنی ریاست کے کسی سُراغ رساں کو دعوت دیتے۔"

فرزانہ نے نفی میں سر ہلایا۔

" آخر ۔ یہ کس طرح ممکن ہے ۔ قانون تو کسی طرح بھی کسی انسان کو جان سے مار دینے کی اجازت نہیں دیتا ۔" محمود نے منہ بنایا ۔

" یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہو سکتا ہے ۔" فارُوق بڑبڑایا ۔

" لیکن میرا خیال ہے ۔ ابّا جان یہاں بھی کوئی صُورت بتا سکتے ہیں ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی :

" لو ۔ وُہ آ ہی گئے ۔ محمود نے جلدی سے کہا اور دروازے کی طرف دوڑا ۔ دروازہ کُھلتے ہی ان کے کانوں سے انسپکٹر جمشید کی آواز ٹکرائی :

" اس دعوت نامے کی وجہ سے پریشان ہو شاید ؟"

" ج ۔ جی کیا مطلب ۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا ؟"

" مجھے مسٹر سرور طوفانی کا فون ملا ہے ۔" انھوں نے کہا۔

" تت ۔ تو کیا آپ سرور طوفانی کو جانتے ہیں ؟"

"نہیں۔ فون پر ہی اس نے اپنا تعارف کرایا تھا اور بتایا تھا کہ گھر کے پتے پر ایک دعوت نامہ ارسال کیا ہے۔ وُہ مل گیا ہو گا۔ اُمید ہے، ضرور آئیں گے۔"

"اور کیا اس نے دعوت نامے کی تفصیل بھی سنائی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ وُہ تو مَیں پڑھ ہی لوں گا۔ تم لوگ کس لیے بے چین ہو؟"

"اس لیے کہ آج تک ایسا دعوت نامہ ہمیں نہیں ملا۔"

"اچھا۔ ذرا دیکھوں تو۔" وُہ بولے۔

پھر اُنھوں نے دعوت نامہ پڑھا۔ اور مسکرا دیے۔

"آپ کی مُسکراہٹ یہ کہ رہی ہے کہ آپ سمجھ گئے ہیں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"بھئی اس کا ایک سیدھا اور آسان طریقہ تو یہ ہے کہ ہر آدمی لکھ کر دے دے کہ مَیں خودکشی کر رہا ہوں۔ اس کا ذمّے دار کسی کو نہ ٹھہرایا جائے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔

"لیکن ابّا جان۔ وُہ لوگ آخر موت کا یہ کھیل کیوں کھیلتے ہیں اور کس طرح کھیل لیتے ہیں، جب کہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ

ان میں سے ایک ضرور مارا جائے گا۔"

"ہاں! یہ بات ضرور عجیب ہے اور اس کے لیے جانا ہی ہو گا۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"بہت خوب! ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

"خیر تو ہے۔ آج تو تم بھی بڑھ چڑھ کر دل چسپی لے رہے ہو۔"

"جب سے دعوت نامہ پڑھا ہے۔ حیرت بڑھتی جا رہی ہے۔"

"خیر۔ فکر نہ کرو۔ قصبہ جانی جانے کی تیاری کرو۔ ہم سات تاریخ کی شام کو ٹھیک سات بجے وہاں مَوجُود ہوں گے۔"

"تیاری کی آپ فکر نہ کریں، تیاری تو ہم ایسی کریں گے کہ کیا کسی نے کبھی کی ہو گی۔" فارُوق نے فوراً کہا۔

"حد ہو گئی۔" بیگم جمشید نے جل بُھن کر کہا۔

"کس بات کی؟" محمُود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس بات کی کہ جو بھی چاہتا ہے۔ آپ کو عجیب و غریب سا خط لکھ کر بُلا لیتا ہے۔"

"ہمارا کام ہی ایسا ہے بیگم۔"

"لیکن آپ کے فرائض دارالحکومت تک ہیں۔" انھوں نے اعتراض کیا۔

"وہ تو کاغذی طور پر ہیں۔ ورنہ ہم تو ملک سے باہر بھی جاتے رہتے ہیں۔"

"جائیے۔ شوق سے جائیے۔" اُنھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ بھی چاہیں تو ساتھ چل سکتی ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"جی نہیں شکریہ۔ مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔ ویسے۔" وُہ کہتے کہتے رُک گئیں۔

"ویسے کیا امّی جان؟" فرزانہ نے پُوچھا۔

"اس بات پر حیرت مجھے بھی ہے کہ وُہ قانون کی نظروں میں رہ کر قتل کس طرح کر ڈالتے ہیں۔" انھوں نے کہا اور وُہ مُسکرانے لگے۔

"گویا جاسوسی کے جراثیم آپ پر بھی حملہ آور ہو چکے ہیں۔" فارُوق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔ نن۔ نہیں تو۔" وُہ گھبرا کر بولیں۔ اور ان کی مُسکراہٹیں گہری ہو گئیں۔

سات تاریخ کو ساڑھے پانچ بجے وُہ قصبہ جانی کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترے۔ یہ ایک لمبا سفر تھا۔ ان اطراف

میں ہوائی اڈا بھی نہیں تھا اور درمیان میں پہاڑی علاقوں کی وجہ سے کار کا سفر بھی ممکن نہیں تھا؛ چنانچہ انھیں ریل کا سفر کرنا پڑا تھا۔

انھوں نے دیکھا۔ چھوٹا سا اسٹیشن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس اسٹیشن پر اُترنے والے بھی صرف وُہی تھے۔

"آپ۔ آپ ضرور انسپکٹر جمشید ہیں؟"

"صرف یہی نہیں۔ بلکہ ہم بھی ضرور محمود، فارُوق اور فرزانہ ہیں۔" فارُوق نے فوراً کہا۔

"واہ۔ مزا آگیا۔ آپ لوگ وعدے کے پورے نکلے، ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا آپ سرور طوفانی ہیں؟"

"میں ان کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

"تو مہمانوں کے استقبال کے لیے وُہ خود نہیں آئے؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"وُہ محل کے دروازے پر آپ کا استقبال کریں گے۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہوں! خیر۔ چلیے۔" انھوں نے کندھے اُچکائے۔

وہ لوگ کاریں لے کر آئے تھے۔ کاریں بڑی اور شان دار تھیں۔ انھیں سب سے زیادہ شان دار کار میں بٹھایا گیا، پھر کاروں کا قافلہ قصبے کی طرف بڑھا۔ قصبے کی عمارات دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ عمارات اگرچہ چھوٹی اور ایک منزلہ تھیں، لیکن بہت جدید طرز کی تھیں؛ تاہم یہ ایک بالکل چھوٹا سا قصبہ تھا، زیادہ سے زیادہ دو سو گھروں پر مشتمل ہو گا۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا اب تک؟" انسپکٹر جمشید نے اپنا استقبال کرنے والے سے کہا۔

"میں زاہد بلقانی ہوں۔"

"اس قصبے میں کوئی پولیس اسٹیشن بھی ہے؟"

"جی ہاں بالکل ہے۔ صرف پولیس اسٹیشن ہی نہیں۔ ایک پوسٹ آفس بھی ہے۔ ایک چھوٹا سا ہسپتال بھی ہے۔ سکول بھی ہے غرض ہر وہ چیز موجود ہے، جو کسی شہر میں ہو سکتی ہے۔"

"اور سرور طوفانی کون ہے؟"

"سرور طوفانی اس قصبے کے سب سے زیادہ دولت مند ہیں دراصل یہاں معدنیات کی کانیں ہیں۔ وہ کانیں انھوں نے خرید رکھی ہیں۔ باقی سب لوگ ان کانوں میں کام کرتے ہیں۔ گویا سرور طوفانی کے ملازم ہیں۔"

"ہوں، یہاں تک تو بات سمجھ میں آگئی۔ اب اس جرم کے بارے میں بتائیں۔"

"جرم کے بارے میں۔ کیا مطلب؟"

"میرا مطلب اس قانونی کھیل سے ہے۔"

"اوہ اچھا۔ تو آپ اسے جرم تو نہ کہیں۔ وہ تو یہاں کا پسندیدہ ترین کھیل ہے اور سال میں صرف ایک بار کھیلا جاتا ہے۔"

"اور اس کھیل میں ایک انسانی جان ضرور جاتی ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"آخر یہ کس طرح ممکن ہے۔ لوگ اس کھیل میں حصہ لیتے ہی کیوں ہیں؟"

"وہ حصہ لیے بغیر رہ بھی تو نہیں سکتے۔"

"وجہ۔ انھیں کیا مجبوری ہے؟"

"کھیل کی تفصیل آپ کو طوفانی صاحب بتائیں گے۔ اس کھیل کے بانی وہی ہیں، انھوں نے ہی یہ کھیل ایجاد کیا ہے۔ جب انھوں نے پہلی بار کھیل کی تفصیلات لوگوں کے سامنے رکھیں تو سب کے سب بہت خوش ہوئے۔ اور اب بھی ہر سال اس موقعے پر سب کو اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ اسی خوشی کی خاطر ہی یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔"

"آپ کی باتوں نے تو اُلجھن اور بڑھا دی۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آپ لوگوں کی اُلجھن اور بڑھے گی۔ صرف آپ کی ہی نہیں۔ ہم جس کو بھی مہمان بُلاتے ہیں۔ وہ الجھن میں ہی مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب تک کہ ہم اسے رُخصت نہیں کر دیتے۔"

"واقعی بہت عجیب بات ہے۔ اور آپ رُخصت کب کرتے ہیں؟"

"کل شام سات بجے۔ آپ کو رُخصت کر دیا جائے گا۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔ گویا ہم ایک دن کے لیے آپ کے مہمان ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

"اور اس عرصے میں وہ قتل ہو چکا ہوگا۔"

"جی ہاں بالکل۔ یہ تو خیر ہو ہی نہیں سکتا کہ قتل نہ ہو، ورنہ پھر اس کھیل کا مزا ہی کیا ہے۔"

"لگ۔ کہیں ہم پاگل نہ ہو جائیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

ان کی بے چینی بہت بڑھ گئی۔ آخر محل دکھائی دینے لگے۔ نزدیک پہنچنے پر انھوں نے دیکھا۔ تین آدمی دروازے

پر کھڑے تھے۔ جوں ہی ان کی کار رُکی۔ وہ تینوں آگے بڑھے۔ ان میں درمیانی آدمی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا:

"سرور طوفانی آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔"

پہلی مرتبہ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر اُلجھن اور پریشانی کے آثار نظر آئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے یہ بات فوراً محسوس کر لی، لیکن پھر جلد ہی ان کے چہرے سے اُلجھن غائب ہو گئی۔ وہ مسکرا کر بولے:

"شکریہ جناب۔ تو آپ ہیں سرور طوفانی۔"

"جی ہاں! اور یہ میرے اسسٹنٹ ہیں۔ مسٹر فولادی اور مسٹر جولانی۔"

"بہت عجیب نام ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی ہاں! اس قصبے میں ایسے ہی نام رکھے جاتے ہیں، آئیے اندر چلیں۔"

وہ محل میں داخل ہو گئے۔ محل کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

"آپ وقت سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ گاڑی عام طور پر یہاں سات بجے کے قریب پہنچتی ہے، لیکن آج شاید کہیں لیٹ نہیں ہوئی۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ محل کا بغور معائنہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، آخر انھیں ایک عالی شان کمرے میں لایا گیا۔ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد سرور طوفانی نے کہا:

"قصبے کے معزز لوگ دوسرے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ جاؤ فولادی ان کو بھی لے آؤ۔ ٹھیک سات بجے کھیل کھیلا جائے گا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

نہ جانے کیوں انھیں بے چینی محسوس ہونے لگی۔ فرزانہ کے چہرے کا رنگ تو اڑتا جا رہا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ سات بجنے میں ابھی چالیس منٹ باقی تھے۔

"خیر تو ہے فرزانہ؟" محمود نے سرگوشی کی۔

"میں گھبراہٹ محسوس کر رہی ہوں۔"

"خود پر قابو رکھو۔ یہ ہمارے چہروں پر گھبراہٹ نہ دیکھ پائیں۔" اس نے کہا۔

انھوں نے جلدی سے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ تھی۔ اور وہ کہہ رہے تھے:

"محل تو آپ کا بہت شان دار ہے۔"

"جی بس۔ گزارے کے لائق بنوایا ہے۔"

"آپ اس محل میں اکیلے ہی رہتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ میرے بیوی بچے بھی ہیں۔" اس نے کہا، پھر بولا: "آج سے بیس سال پہلے یہاں کوئی قصبہ نہیں تھا۔ کوئی اسٹیشن نہیں تھا۔ کچھ نہیں تھا، پھر معدنیات کا ایک ماہر ادھر آ نکلا۔ اس نے اپنے آلات کے ذریعے پتا چلایا کہ اس علاقے میں معدنیات کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں۔ جو نہ صرف پورے ملک کے کام آ سکتے ہیں، بلکہ ہم دوسرے ملکوں کو بھی برآمد کر سکتے ہیں؛ چنانچہ حکومت نے اس طرف توجہ دی۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس ماہر کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے بعد سب سے پہلے یہاں ریلوے لائن بچھائی گئی، پھر کانیں سستے داموں فروخت کرنے کا اعلان کیا گیا۔ کوئی اس طرف آنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ ذمے داری میں نے قبول کی۔ کانیں خرید لیں، پھر یہاں لوگوں کو لا کر آباد کرنا شروع کیا۔ اب آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہو چکا ہے۔"

"ہوں! گویا آپ لوگ دنیا والوں سے کافی دور آ کر آباد ہو گئے ہیں۔"

"ہاں! لیکن کوئی پابندی نہیں۔ کوئی شخص جس وقت جی

چاہے۔ یہاں سے جا سکتا ہے۔ کوئی آنا چاہے، آسکتا ہے۔"

"اب ہم اس کھیل کے بارے میں جاننا چاہیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم کبھی کبھی بہت اداسی محسوس کرتے تھے۔ میں نے یہاں دل چسپی کی چیزیں بنوانے کی طرف توجہ دی؛ چنانچہ اب یہاں کھیل کے میدان ہیں۔ باغ ہیں، پھول ہیں۔ پودے ہیں۔ کھیلوں کے مقابلے سارا سال جاری رہتے ہیں۔ فارغ اوقات میں ہم سب ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں، کھیلتے ہیں، کودتے ہیں، لیکن ان سب کھیلوں میں سے اہم ترین، دل چسپ ترین اور مزے دار ترین وہ کھیل ہے۔ جو سال میں صرف ایک بار اس ماہ کی سات تاریخ کو کھیلا جاتا ہے اور اس میں ایک آدمی کو قتل کیا جاتا ہے۔ پولیس بھی اس وقت یہاں موجود ہوتی ہے، لیکن وہ کسی کو گرفتار نہیں کرتی۔"

"آخر کیسے؟" فاروق بولا۔

"اب میں اس تفصیل کی طرف آرہا ہوں۔ میں جانتا ہوں، اس وقت تک آپ بہت حیران اور پریشان ہوتے رہے ہیں۔ لیکن اب آپ کی حیرت دور ہونے کا وقت آگیا ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم قتل کس طرح کرتے ہیں۔" یہ کہ کر

اس نے زاہد بلقانی کی طرف دیکھا:

"زاہد۔ انسپکٹر صاحب کو فون کرو۔ وہ بھی آجائیں۔ ان سے کہ دینا معزز مہمان آچکے ہیں۔"

"اوکے سر۔"

زاہد بلقانی اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ ان کی بے چینی میں اور بھی اضافہ ہونے لگا، کیوں کہ اب سرور طوفانی ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، بلکہ کمرے میں داخل ہونے والے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں پستول نظر آرہے تھے۔ جلد ہی زاہد بلقانی واپس آگیا۔

وہ چاروں طرف سے پستولوں کی زد میں تھے۔ کسی طرف بھی چھلانگ لگاتے۔ گولیوں سے نہیں بچ سکتے تھے؛ تاہم انسپکٹر جمشید کے سکون میں اب بھی فرق نہیں آیا تھا۔ انھوں نے مسکرا کر کہا:

"تو یہ ہے اس کھیل کی ابتدا۔"

"ہاں! آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ قتل قانونی قتل کس طرح ہے؛ اور قانون قاتلوں کو گرفتار کیوں نہیں کرتا؟"

"بہت اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی۔ جب قانون کا محافظ خود قاتلوں میں شامل ہو تو وہ مجرموں کو گرفتار کر بھی کس طرح سکتا ہے۔"

"ہاں! میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟" سرور طوفانی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر سال ایک شخص تمھارا شکار بن جاتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ دیکھو نا، آنے والا آخر اپنے گھر والوں کو تو بتاتا ہی ہے۔ کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور کیوں جا رہا ہوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ اور اس کا جواب اور بھی آسان ہے۔"

"مثلاً۔"

"ہم نے اس کھیل کا آغاز اسی سال کیا ہے۔ اس سے پہلے نہ یہ کھیل کبھی کھیلا گیا اور نہ پھر کبھی کھیلا جائے گا۔ کھیل کے بعد اگر دارالحکومت سے تفتیش کے لیے کوئی آیا تو سب لوگ یہی کہیں گے کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے تو یہاں آئے ہی نہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے۔ بہت اوچھا وار کیا گیا ہے۔"

"اوچھے وار کے بغیر آپ قابو میں آ بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ ہم لوگوں سے تم لوگوں کو دشمنی کیا ہے؟"

"دشمنی۔ میرا خیال تھا کہ آپ سمجھ چکے ہوں گے۔" سرور طوفانی نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ میں واقعی سمجھ چکا ہوں۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ میں دعوت نامہ پڑھ کر ہی سمجھ گیا تھا۔"

"کیا!!!" ان تینوں کے منہ سے نکلا۔

"نہیں!!!" سرور طوفانی اور ان کے ساتھیوں کے منہ سے نکلا۔

دیکھی ہماری طاقت

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ وہ سب انسپکٹر جمشید کو گھورتے رہے۔ آخر سرور طوفانی بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نے دعوت نامہ پڑھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں یہ ہوگا۔"

"میں نے اپنا ذہن دوڑایا تھا۔ کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہ آئی کہ قتل اعلانیہ کیا جائے اور قانون حرکت میں نہ آئے، ہاں خودکشی کا معاملہ ضرور ہو سکتا ہے۔ کوئی آدمی یہ لکھ دے کہ میں خودکشی کر رہا ہوں اور اس کا ذمے دار کسی کو نہ ٹھہرایا جائے، لیکن اس معاملے میں یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ ضرور کوئی چال ہے اور پھر دعوت نامے کی ایک خامی نے مجھے چونکا دیا۔"

"دخ۔ دعوت نامے کی خامی۔ یہ۔ یہ تو کمی۔" فاروق نے کہنا چاہا۔

"بس چُپ۔" محمود نے فوراً کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دعوت نامہ السلامُ علیکم سے شروع نہیں کیا گیا، پھر جب ہم یہاں پہنچے تو مسٹر طوفانی۔ آپ نے ہمیں السلامُ علیکم نہیں کہا۔ اور میرا یقین پختہ ہو گیا۔"

"خیر۔ مان لیا کہ تم نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا، لیکن پھر تم چلے کیوں آئے۔" سرور طوفانی بولا۔

"یہ ہماری پُرانی عادت ہے۔ یہ بھانپ لینے کے باوجود بھی کہ جال بچھایا گیا ہے۔ میدان میں کود پڑتے ہیں، کیونکہ ہم ایک اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

"تب تو۔ آج کا دن تمھاری زندگیوں کا آخری دن ہے۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ پستول تم لوگوں کے چاروں طرف تنے ہوئے ہیں اور بچ نکلنے کا کوئی راستا نہیں، لیکن اگر کسی طرح تم اس کمرے سے بچ بھی نکلے تو بھی محل کے باہر مسلح پہرے دار موجود ہیں۔ ان کو اِشارہ کر دیا جائے گا اور وہ تم پر فائرنگ کر دیں گے۔"

"بس۔ یا اور کچھ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا تم لوگ کچھ نہیں پوچھو گے کہ ہم کون ہیں اور ہم نے ایسا کیوں کیا ہے؟"

"اگر تم بتانا پسند کرتے ہو تو بتا دو۔"

"ہم۔ تمہارے ملک کے بدترین دشمن ہیں۔ اگرچہ تمہارے ملک کے اندر ہی رہتے ہیں۔ دراصل اصل دشمنی وہی کر سکتا ہے۔ جو گھر میں موجود ہو۔ باہر کے دشمن سے تو لوگ پہلے ہی ہوشیار ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ملک میں رہ کر ملک کی جڑیں کاٹنا۔ یہ ہے ہمارا کام۔"

"لیکن کیوں۔ تم لوگوں کو اس سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"اسلام دشمن طاقتیں تو بس مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھ سکتیں۔ اسلام کا عروج ان کی موت ہے۔ اسلام جب بھی عروج پر آیا۔ ان کے لیے مصیبت کا باعث بنا۔"

"تم لوگ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟"

"بظاہر ہم مسلمان ہی ہیں، لیکن اسلام سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا تو کوئی بھی مذہب نہیں۔ ہم کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی۔ عیش کی زندگی ہی ہمارا مذہب ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان مٹی ہو جاتا ہے۔ ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔"

"ہم سمجھ گئے۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اب صرف اتنا بتا دو۔ کس ملک کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"بنگال کے لیے۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس دور دراز علاقے میں کیا کر رہے ہو۔ ملک کے خلاف جو کام بھی تم کرنا چاہتے ہو۔ وہ تو دارالحکومت میں کر سکتے ہو۔ یہاں رہ کر کیا ہو سکتا ہے۔"

"یہاں رہ کر بھی بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہی دیکھ لو کہ ہم نے تم لوگوں کو کس قدر آسانی سے پھانس لیا۔"

"غلط۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جال میں پھنس کر نہیں آئے۔ جان بوجھ کر آئے ہیں۔"

"تب بھی کیا فائدہ ہوا۔ مارے تو پھر گئے۔" زاہد بلقانی نے کہا۔

"جی نہیں۔ مارے نہیں گئے۔ ابھی زندہ ہیں اور جب تک ہماری موت نہیں آ جاتی۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں مار سکتی۔ اور جب موت کا وقت آ جائے گا تو دنیا کی کوئی طاقت

ہمیں بچا نہیں سکتی۔"

"چلو خیر۔ تم یہ سمجھ لو کہ تمھارا وقت آ چکا ہے۔"

"کیسے سمجھ لیں۔ ہمیں کیا معلوم۔ غیب کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔"

"ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ ہمارا کوئی مذہب نہیں۔"

"نہ ہو گا۔ ہم مذہبی آدمی ہیں۔"

"خیر۔ تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"احمق ہو تم لوگ۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"کیا کہا۔ ہم احمق ہیں۔ اچھا۔ وہ کیسے؟"

"میں بتا چکا ہوں کہ دعوت نامہ پڑھ کر ہی سازش کی بُو سونگھ چکا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم یہاں بغیر کسی انتظام کے چلے آتے۔ جب کہ یہاں کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" سرور طوفانی اور اس کے ساتھی چونک اُٹھے۔

"جس ٹرین سے ہم آئے ہیں۔ اس میں ہمارے ساتھ پچاس بہترین جنگ جو بھی آئے ہیں۔ اور ان کے پاس جدید ترین اسلحہ موجود ہے۔"

"بکواس۔ جھوٹ۔" سرور طوفانی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بکواس کرنے کی ہمیں عادت نہیں۔ اور جھوٹ بولنا

کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے اس سے بھی دُور بھاگتے ہیں۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ تم لوگوں کے علاوہ کوئی بھی اسٹیشن پر نہیں اُترا تھا۔ میرے ساتھی اندھے نہیں ہیں۔"

"اور ہمارے ساتھی بے وقوف نہیں ہیں کہ تم سب کے سامنے ہی اُتر پڑتے۔ وُہ کچھ آگے جا کر اُترے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کچھ آگے جا کر بھی وُہ نہیں اُتر سکتے تھے، کیوں کہ اگلا اسٹیشن کافی دیر بعد آتا ہے۔"

"اسٹیشن کی انھیں کیا ضرورت۔ صرف ایک کلومیٹر آگے جا کر ان میں سے ایک نے زنجیر کھینچی ہو گی اور اُتر پڑے ہوں گے۔"

"اس صورت میں اس وقت تک انھیں یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔"

"آپ دراصل بیرونی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دِل کی آنکھوں سے دیکھیں تو ایک بات بھی ہے۔"

"دِل کی آنکھیں۔ کیا مطلب؟" وُہ پہلی بار چونکا۔

"انھوں نے اس وقت تک محل کو گھیرے میں لے لیا ہو گا، اگر ہم زندہ سلامت یہاں سے باہر نہ نکلے تو وُہ ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یہ تم ہوائی اڑا رہے ہو۔"

"دشمن کا کام بے شک ہوائی اڑانا ہوتا ہے۔ لیکن ہم اس فن سے ناواقف ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"زاہد بلقانی۔ تم محل کے دروازے پر جا کر معلوم کرو، یہ بات کس حد تک درست ہے۔"

"بہت بہتر۔ لیکن جناب۔ میرے خیال میں تو یہ غلط کہ رہے ہیں۔"

"پہلے جا کر تصدیق کرو۔" سرور طوفانی نے منہ بنایا۔

زاہد بلقانی فوراً کمرے سے چلا گیا۔

"جتنی دیر ہمیں چھوڑنے میں لگائی جائے گی۔ اتنا ہی اپنا نقصان کریں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"انسپکٹر جمشید۔ خاموش رہو۔ مجھے پریشان نہ کرو۔"

"پریشانی تو اب آپ کا مقدر بن چکی ہے جناب۔" محمود نے کہا۔

پانچ منٹ گزر گئے، لیکن زاہد بلقانی واپس نہ آیا۔ اب تو سرور طوفانی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی۔

"فولادی۔ جا کر دیکھو، بلقانی کہاں رہ گیا ہے؟"

"جی بہتر۔" فولادی نے کہا اور چلا گیا۔

لیکن اس کی بھی واپسی نہ ہوئی۔

"جولانی۔" سرور طوفانی غرّایا۔

جولانی بھی چلا گیا، لیکن واپس نہ آیا۔

"اب تو میری بات پر یقین کر ہی لینا چاہیے۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جو آپ کے ساتھیوں کو وہیں روک لیتے ہیں۔ واپس نہیں آنے دیتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہوں۔ مم۔ میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔" سرور طوفانی کانپ کر بولا۔

اس کے باقی ساتھیوں نے پستول پھینک دیے۔ انسپکٹر جمشید نے حلق سے اُلو کی آواز نکالی۔ تھوڑی دیر بعد اکرام اور اس کے ساتھی اندر داخل ہوئے:

"سب خیریت ہے نا جناب؟"

"ہاں اکرام۔ ہر کام پروگرام کے مطابق ہوا۔ اب قصبے کے باقی سب لوگوں کو بھی گرفتار کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"فکر نہ کریں سر۔ اس کام میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" اکرام بولا۔

"اور ٹرین کا کیا بنا؟"

"وہ جلد واپس آئے گی۔ آخری اسٹیشن پر جا کر ٹھہری

نہیں رہے گی۔ ہمارے لیے فوری طور پر واپس آئے گی۔
پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع تمام اسٹیشنوں پر دے دی گئی
ہے۔ راستا صاف ملے گا اور ہم ان سب کو لے کر دارالحکومت
پہنچ جائیں گے۔"

"بہت خوب!" وہ بولے۔

اور اس طرح ان کی واپسی کا سفر شروع ہوا، جوں ہی
وہ ٹرین دارالحکومت پہنچی۔ انسپکٹر جمشید کو آئی جی صاحب کا
آرڈر موصول ہوا:

"فوراً دفتر پہنچیں۔"

☆

انسپکٹر جمشید دفتر پہنچے۔ وہاں تمام بڑے آفیسر جمع
تھے۔

"انسپکٹر جمشید۔ پہلے تو مبارک باد قبول کریں۔ اور اس کے
بعد تفصیلات سنائیں۔"

"جی بہتر۔ بہت بہت شکریہ!" انھوں نے کہا اور ساری
تفصیل سنا دی۔

"ٹھیک ہے جمشید۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کارنامہ بہت

شان دار ہے، لیکن ہم مجبور ہیں۔" آئی جی صاحب بولے۔ ان کا
جملہ سن کر انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ ہم مجبور ہیں، کس سلسلے میں؟"

"ہم ان لوگوں پر کیس نہیں چلا سکیں گے۔"

"کیوں سر۔ یہ کیا بات ہوئی؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"بس۔ وجہ میں بھی نہیں جانتا۔ تم ایسا کرو کہ نہایت خاموشی
سے ان کو چھوڑ دو۔"

"یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا سر۔ وہ لوگ ملک کی جڑیں
کاٹتے رہے ہیں۔"

"ساری تفصیل میں پہلے ہی سن چکا ہوں، لیکن تم
نہیں جانتے۔"

"تو آپ پر اوپر سے دباؤ پڑ رہا ہے!" انسپکٹر جمشید نے
پوچھا۔

"ہاں! یہی بات ہے، لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ دباؤ
کون ڈال رہا ہے۔"

"میں سمجھ گیا سر۔" انسپکٹر جمشید زہریلے انداز میں مسکرائے۔

"نہیں جمشید۔ تم کچھ نہیں کرو گے۔ کسی کے پاس نہیں
جاؤ گے۔ بس ان لوگوں کو چھوڑ دو گے۔"

"اور چھوڑنے کے بعد؟" انسپکٹر جمشید نے سوالیہ انداز میں

کہا۔

"چھوڑنے کے بعد کیا؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"چھوڑنے کے بعد بھی میں ان کے پاس جا سکتا ہوں یا نہیں؟"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں، لیکن یاد رہے۔ میں نے ان کا نام تمھیں نہیں بتایا۔"

"جی ہاں! یہ بات یاد رہے گی۔" وہ بولے۔

"تو تم ان کو چھوڑ رہے ہو؟" آئی جی صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں سر۔ میں ان کو چھوڑ رہا ہوں۔" انھوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت حیرت کی بات ہے۔ میرا تو خیال تھا تم تیار نہیں ہو گے اور استعفیٰ دینے پر تیار ہو جاؤ گے۔"

"نہیں سر۔ میں استعفیٰ نہیں دوں گا۔ ان کو چھوڑ دوں گا، اس بار یہی ہو گا۔" انھوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

وہ وہاں سے حوالات آئے اور انچارج سے بولے:

"ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ چھوڑ دیا جائے؟"

"ہاں بھئی۔ چھوڑ دو۔ میں نے یہی کہا ہے۔"

انچارج کے اشارے پر حوالات کا دروازہ کھول کر ان

کو باہر نکالا گیا۔ انسپکٹر جمشید تھکی تھکی آواز میں بولے:

"آپ لوگوں کو رہا کیا جاتا ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"انسپکٹر جمشید۔ دیکھی ہماری طاقت۔"

"ہاں! دیکھ چکا۔" وہ بولے اور پھر ان کے قدم باہر کی طرف اٹھ گئے۔

قصبے میں

"یہ کیا ہوا ابا جان؟" محمود نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"بہت خوف ناک حالات ہیں بھئی۔ جو لوگ ملک کو صریح نقصان پہنچانے کے ذمے دار ہیں۔ ہم ان کو گرفتار بھی نہیں کر سکتے۔ کمال ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"لیکن آپ نے استعفیٰ کیوں نہیں دیا؟"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ آؤ۔"

وہ کار میں بیٹھ کر ایوانِ صدر پہنچے۔ صدر صاحب نے اداس انداز میں ان کا استقبال کیا اور بولے:

"میں جانتا تھا جمشید۔ تم میرے پاس آؤ گے۔"

"مجبوری کیا ہے سر؟"

"انشارجہ۔ انشارجہ ان کی پشت پر ہے۔" وہ بولے۔

"تب پھر انشارجہ ہمارا دوست نہیں ہے۔ وہ ایسے آدمی ہمارے ملک میں کیوں رکھنا چاہتا ہے جو ملک کو برابر نقصان

پہنچا رہے ہیں۔"

"ہاں! میں نے یہ سوال کیا تھا، لیکن مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔" صدر صاحب بولے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اس سارے معاملے میں ایک بات بہت عجیب ہے سر۔"

"کون سی بات؟" صدر صاحب چونکے۔

"اس قصبے سے ہم ان لوگوں کو گرفتار کر کے لے آئے تھے، وہاں ان کے انچارج کو فون کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ پھر ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ان کے کسی ہمدرد کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں ان سب کو گرفتار کر کے لا رہا ہوں۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" انھوں نے کہا۔

"تب پھر کم از کم مجھے یہ بات تو معلوم کرنے کی اجازت دے دیجیے۔ آخر ہمارے ملک میں ان کی سرپرستی کون کر رہا ہے؟"

"معلوم کر کے کیا کرو گے جمشید؟"

"کیوں سر۔ اس پر نظر تو رکھی جا سکے گی۔"

"اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ جب ہم اس سے چھوٹوں کو اندر نہیں رکھ سکے۔ تو اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"اس طرح تو وہ ملک کو جی بھر کر نقصان پہنچائے گا سر۔"

"ہوں - تم ٹھیک کہتے ہو ، لیکن میں کیا کروں جمشید؟"

"آپ کچھ نہ کریں - صرف اور صرف مجھے اجازت دے دیں - میں وہ طریقہ اختیار کروں گا کہ انشارجہ تو کیا ، اس کا باپ بھی آپ سے شکایت نہیں کر سکے گا اور نہ آپ سے بدظن ہو گا۔"

"یہ - کیسے ہو گا جمشید؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"اچھا جمشید - جیسے تمھاری مرضی ، لیکن یہ بات صرف اور صرف میرے اور تم چاروں کے درمیان رہے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں - یہ راز ان سینوں سے باہر نہیں آئے گا۔"

"لیکن تم کرو گے کیا - کم از کم اتنا تو بتا دو۔"

"آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں - ورنہ آپ بھی اس راز میں شریک ہو جائیں گے۔"

"ہوں ! تم ٹھیک کہتے ہو - اچھا جاؤ - اللہ تمھارا مددگار ہو۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے ابا جان؟"

"ہم چند دن آرام کریں گے۔"

"جی کیا فرمایا - آرام کریں گے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی - کیا ہم آرام نہیں کر سکتے۔"

"کرنے کو تو ابا جان - ضرور کر سکتے ہیں ، لیکن اس سے پہلے تو کبھی آپ نے آرام کرنے کی بات نہیں کی۔"

"بھئی وقت وقت کی بات ہے۔"

"جی ہاں ! یہ تو ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خیر - چند دن بعد آپ کیا کریں گے؟" محمود بہت بے چین تھا۔

"میں چند دن بعد بتاؤں گا۔"

"اس طرح تو ہم چند دن تک مسلسل پریشان رہیں گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں - یہ بات ذہن میں رکھو کہ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کسی کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی کہ ہم ان لوگوں کو گرفتار کر کے لا رہے ہیں ، جب کہ ہم نے ان کو کوئی مہلت نہیں دی تھی - اور وہ فون بھی نہیں کر سکے تھے۔"

"واقعی - یہ بات بہت عجیب ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور اس عجیب بات پر ہمیں غور کرنا ہے ، لیکن میں

جانتا ہوں۔ غور کرنے سے یہ معاملہ ہرگز حل نہیں ہوگا۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ پھر کیسے حل ہوگا؟"

"عملی قدم اُٹھانا ہوگا۔ جو بہت عجیب ہوگا۔"

"آپ تو لمحہ بہ لمحہ ہماری بے چینی میں اضافہ کر رہے ہیں۔"

"کیا کروں۔ مجبور ہوں۔"

"اگر مجبور ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ کرتے رہیں اضافہ۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور وہ مسکرا دیے۔

ٹھیک تین دن بعد وہ ایک بار پھر ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ اور پھر قصبہ جانی آنے سے چند کلو میٹر پہلے انسپکٹر جمشید بولے:

"ہم اس وقت میک اپ میں ہیں۔ عام لوگوں کی طرح گاڑی میں سوار تھے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ ہم اس پر سفر کر رہے ہیں، اب ہم چلتی گاڑی سے اُتریں گے۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ اس کی کیا ضرورت؟"

"ہم قصبہ جانی کے اسٹیشن پر نہیں اُترنا چاہتے۔"

"اوہ، لیکن ابا جان۔ گاڑی کی رفتار تو بہت تیز ہے۔ اُترنا خطرناک ہوگا۔"

چند سیکنڈ بعد رفتار کم ہونے لگے گی، ... سٹیشن آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔"

اور وہ اُترنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے ڈبے میں اور کوئی نہیں تھا۔ اس لیے یہ حرکت کرتے ہوئے انھیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور پھر جوں ہی رفتار کم ہوئی۔ سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نیچے اُتر گئے اور کچھ دُور تک ٹرین کے ساتھ دوڑتے رہنے کے بعد رُک گئے، پھر وہ تینوں باری باری اُتر گئے۔ اور کچھ دیر بعد ایک جگہ پہنچ گئے۔

اب وہ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے آس پاس، اِدھر اُدھر کوئی انسان نہیں تھا۔ یہ تمام علاقہ مکمل طور پر غیر آباد تھا۔

آہستہ آہستہ وہ ریل کی پٹڑی سے دُور ہٹتے چلے گئے۔ اور پھر قصبہ جانی کے مکان انھیں نظر آنے لگے۔ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ جس میں کپڑے اور کچھ بہت ضروری چیزیں موجود تھیں۔ آبادی کے نزدیک پہنچ کر وہ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے۔ گاڑی یہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔

انھیں آدھ گھنٹے تک دبکے رہنا پڑا، پھر آبادی کے سرے پر ایک آدمی اپنے مکان سے نکلتا دکھائی دیا، لیکن اس کا رُخ

ان کی طرف نہیں تھا —

"جاؤ محمود۔ اسے اس طرف لے آؤ۔"

"جی۔ اس طرف لے آؤں؟"

"ہاں۔ جاؤ۔ جس طرح بھی لا سکتے ہو۔ لے آؤ۔" انھوں نے جھنّا کر کہا۔

اور محمود تیز تیز قدم اٹھاتا اس تک پہنچ گیا۔ نہ جانے اس نے اس شخص سے کیا کہا۔ کہ وہ فوراً ہی ان کی طرف مڑا اور تیز تیز چلنے لگا۔ یہاں تک کہ ان تک پہنچ گیا:

"یہ۔ یہ کیا؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تو یہ لوگ آپ کے عزیز نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ یہ لوگ میرے لیے اجنبی ہیں۔ بلکہ میرے لیے تو تم بھی اجنبی ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب۔ آپ کے گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں؟"

"کیوں۔ آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ہم ذرا آپ کا مکان کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ کون ہو تم؟"

"آہستہ آواز میں بات کرنا زیادہ مفید ہوگا۔"

"اوہ۔ تم ضرور چور یا ڈاکو ہو۔ نہیں کروں گا میں آہستہ

آواز میں بات چیت۔"

"نہیں کرو گے تو یہ لو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اس کے منہ پر ایک بھرپور مکا لگا دیا۔ وہ تیورا کر گرا۔ منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکلی، پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"تمھارے گھر میں کُل کتنے افراد ہیں؟"

"تم۔ میں نہیں بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"جاؤ محمود۔ اس کے گھر سے کسی کو بلا لاؤ۔ ان سے کہنا۔ تمھارے گھر والا ادھر زخمی پڑا ہے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور جانے کے لیے مڑا۔

"ٹھہرو۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"ہماری باتوں کے جوابات دو۔ پہلے نمبر پر تو یہ چاہتے ہیں۔"

"گھر میں میری بیوی اور دو بچے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور کوئی؟"

"نہیں۔ بس ہم چار ہی رہتے ہیں۔"

"تمھارے گھر میں اتنی جگہ ہے کہ ہم بھی ساتھ رہ سکیں؟"

"کیا مطلب؟"

"ہم تمھارے ساتھ تمھارے گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔ شاید

ایک دن کے لیے۔ یا چند گھنٹوں کے لیے۔ یا پھر چند دنوں کے لیے۔"

"بات میرے پلے نہیں پڑی۔"

"پڑ جائے گی۔ اگر تم تیار ہو تو پھر میں تمھیں جان سے نہیں ماروں گا۔ اور اگر تیار نہیں ہو تو پھر ابھی گلا دبائے دیتا ہوں۔ اس صورت میں تمھارے بیوی بچوں کو بھی تمھارے ساتھ دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کرنا ہوگا۔"

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔"

"تو پھر ہمیں بطورِ مہمان قبول کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"شاید تم نے یہ سوچا ہے کہ موقع ملتے ہی سرور طوفانی کو اطلاع دے دو گے۔ اور مجھے گرفتار کرا دو گے، لیکن ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"چلو مطلب بھی بتا دیں گے۔ آؤ۔"

انھوں نے اسے اٹھایا اور سہارا دیے آگے بڑھے:

"تم تینوں یہیں ٹھہرو۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیکھ لیا جائے، موقع محل دیکھ کر آگے بڑھنا۔"

"جی بہتر۔"

اس وقت اس شخص کے آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، لہٰذا انسپکٹر جمشید تیز تیز قدم اٹھاتے اس کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔

اندر ایک عورت اور دو لڑکے موجود تھے۔ پہلے ان کی نظر اپنے گھر کے فرد پر پڑی:

"کیا ہوا بالی۔ تم واپس آ گئے۔ ارے یہ تمھارے منہ سے خون۔ ہائیں۔ یہ کیا؟"

ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"یہ۔ یہ کیا ہے؟"

"یہ لوگ پتا نہیں کون ہیں۔ اس قصبے کے بہرحال یہ نہیں ہیں۔ شاید چور یا ڈاکو ہیں اور یہاں آبادی دیکھ کر ادھر آ گئے ہیں۔" بالی نے کہا۔ اتنی دیر میں محمود، فاروق اور فرزانہ بھی آ گئے۔

"لیکن۔ یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس کون سی دولت رکھی ہے۔ دولت تو سرور طوفانی کے پاس ہے۔"

"ہم چور ڈاکو نہیں ہیں۔ بس آپ کے گھر میں تھوڑی دیر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کو پریشانی تو ہو گی، لیکن کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔"

"پتا نہیں۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ چلو بھئی۔ تم تینوں اپنا کام کرو۔" انھوں نے تینوں سے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے رسیاں نکالیں اور ان کو باندھنے لگے۔

"یہ۔ یہ کیا۔ ہمیں باندھا کیوں جا رہا ہے؟"

"اسی طرح تو ہم یہاں آسانی سے رہ سکیں گے۔ ویسے یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمھارے دونوں لڑکے میرے ان بچوں کے قریباً ہم عمر ہیں اور قد و قامت بھی ایک جیسے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں۔ اس سے کیا ہوگا؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

پہلے ان کو باندھا گیا، پھر انسپکٹر جمشید نے اپنا سوٹ کیس کھولا، اس میں سے میک اپ کا سامان نکالا۔ ایک گھنٹے کے بعد انسپکٹر جمشید کی شکل صورت بالکل بالی کی شکل صورت جیسی ہو چکی تھی اور محمود اور فاروق اس کے لڑکوں کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ مارے حیرت کے بالی اور اس کے بیوی بچوں کا برا حال تھا۔

"اُف۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"اللہ کی قدرت۔"

"اللہ۔" بالی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! اللہ۔ مگر تم تو اللہ کو مانتے ہی نہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"تب پھر تم کیا جانو۔ اللہ کی شان کیا ہے۔"

"تت۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"پہلے تم بتاؤ۔ تم یہاں کیا کام کرتے ہو؟"

"معدنیات کی ایک کان میں کام کرتا ہوں۔"

"تمھاری ڈیوٹی کے اوقات کیا ہیں؟"

"اب میں ڈیوٹی کے لیے ہی نکلا تھا۔ اس وقت سے لے کر چھ گھنٹے تک ڈیوٹی دوں گا۔ رات کو واپسی ہو گی۔" بالی نے کہا۔

"اگر تمھاری ڈیوٹی اس وقت شروع ہونے والی ہے، تو تم گھر سے پہلے کیوں نکلے تھے؟"

"مجھے راستے میں ایک ضروری کام تھا، بہرحال ڈیوٹی کا وقت اب شروع ہونے والا ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ مجھے ڈیوٹی کے لیے نکل جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"کیا مطلب۔ تم میری جگہ ڈیوٹی دو گے۔ کان میں۔" بالی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! تم دونوں کو کما کر کھلاؤں گا۔" اُنھوں نے مُسکرا کر کہا۔

"پتا نہیں۔ کیا چکر چلانے کے موڈ میں ہو۔"

"اچھا۔ میں چلا۔ تم تینوں ان کا پوری طرح خیال رکھو گے۔ کوئی مُلاقاتی آئے تو اسے ٹال دینا۔" انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں ابّا جان۔"

"لیکن۔ لیکن۔" بالی کے منہ سے نکلا۔

"یہ دو مرتبہ لیکن کس خوشی میں؟" محمود نے پُوچھا۔

"تت۔ تم۔ اس کان تک کس طرح پہنچو گے۔ تمھیں کیا معلوم کہ میں کون سی کان میں کام کرتا ہوں۔" بالی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ مَیں معلوم کر لوں گا۔ اس وقت دُوسرے مزدور بھی تو جا ہی رہے ہوں گے کام پر۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! اس شفٹ والے سب لوگ اس وقت ہی جائیں گے۔"

"بس تو پھر یہ میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔"

"کیوں مشکل نہیں۔ آخر تم اس جگہ کس طرح پہنچو گے،

جہاں میں نے کھدائی شروع کر رکھی ہے۔ تم تو اس کان تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

"فکر نہ کرو۔ تم مجھے نہیں جانتے۔" انھوں نے کہا اور گھر سے نکل آئے۔ اور اس سمت میں چل پڑے جس سمت میں بالی جاتا نظر آیا تھا۔ جلد ہی کچھ دُوسرے لوگ نظر آنے لگے، پھر ان میں سے ایک ان کے نزدیک آ گیا:

"کیا حال ہے بالی؟"

"پتلا۔" انھوں نے بالی کی آواز منہ سے نکالی۔

"پتلا۔ کیا مطلب؟"

"چکر پر چکر آ رہے ہیں۔ پتا نہیں کیا بات ہے؟"

"اوہ۔ تب تو تمھیں آج چھٹی کرنا چاہیے۔"

"مم۔ میں۔" وہ ہکلائے۔

اور پھر بُری طرح اوندھے منہ گرے۔ ساتھ ہی منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ بھی نکلی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا ہوا؟"

لیکن وہ تو بالکل ساکت ہو چکے تھے۔

"اوہو۔ یہ بالی کو کیا ہوا؟" ایک دُوسری آواز اُبھری۔

"پتا نہیں۔ چکر آ رہے تھے۔ بس گر پڑا۔ اب کیا خیال ہے۔ اسے کان کی طرف لے چلیں یا گھر چھوڑ آئیں؟"

"پہلے کان کی طرف لے چلتے ہیں، اگر فولادی صاحب نے اجازت دی تو گھر چھوڑ دیں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ مل کر اُٹھائیں۔"

چار آدمیوں نے اُنھیں مل کر اُٹھا لیا اور لے چلے۔ آخر انھیں زمین پر لٹا دیا گیا۔ جلد ہی ایک آواز اُبھری:

"ارے۔ یہ تم کس کو اُٹھا لائے ہو۔ اوہو۔ یہ تو بالی ہے۔ کیا ہوا اسے؟" یہ آواز فولادی کی تھی۔

"چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ چکر آ رہے ہیں۔"

"اوہ!" فولادی کے منہ سے نکلا، پھر اس نے کہا:

"خیر۔ اسے یہیں لیٹا رہنے دو۔ تم لوگ اپنا کام کرو۔"

"کیوں نہ ہم میں سے ایک اس کے گھر اطلاع دے آئے، اس کے بچے یہاں آ کر اس کی دیکھ بھال تو کر سکیں گے۔"

"ہوں! بالکل ٹھیک۔ ایسا ضرور کرو۔ جاؤ دارا۔ تم جاؤ۔"

"جی بہتر!"

کچھ دیر بعد محمود اور فاروق بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ گویا اب صرف فرزانہ گھر میں رہ گئی تھی اور وہ گھر میں رہنے پر مجبور تھی، کیوں کہ بالی کے صرف دو لڑکے تھے، ایسے میں بالی نے حرکت کرنے کی کوشش کی اور اس کا جسم

ڈھک گیا۔

فرزانہ اس کی طرف مُڑی۔ ان چاروں کو انھوں نے پوری احتیاط سے باندھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے جسم تو حرکت کر ہی سکتے تھے۔

"خبردار! حرکت کرنا تُمھارے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔" فرزانہ نے غرا کر کہا۔

عین اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک اُٹھے۔

غالب غائب

جلد ہی انھوں نے آنکھیں کھول دیں:

"مم — میں کہاں ہوں؟"

"کانوں کے درمیان — آپ کو کیا ہوا تھا ابا جان؟" محمود نے دل ہی دل میں مسکرا کر پوچھا — اگرچہ منہ سے آواز اسی نے گھبرائی ہوئی نکالی تھی۔

"بہت زور دار چکر آیا تھا۔"

"فکر نہ کرو بالی — فولادی صاحب نے ڈاکٹر کو فون کیا ہے — وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔" ایک کان کٹا بولا۔

"اوہ — شکریہ۔"

"اور تم آرام کرو — آج تمھیں کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ مسٹر فولادی نے اجازت دے دی ہے۔"

"اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت ڈاکٹر ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ

فولادی بھی تھا:

"ذرا دیکھیے تو ڈاکٹر صاحب — اس کو کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا —

ڈاکٹر ان پر جھک گیا — اس نے اپنے آلات کے ذریعے ان کا معائنہ کیا، پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا:

"کوئی گڑبڑ تو نظر نہیں آئی — وقتی طور پر چکر آ گیا ہو گا — میں انجکشن لگائے دیتا ہوں۔"

"لیکن جناب — میں انجکشن نہیں لگواؤں گا۔" وہ بولے۔

"کیوں؟"

"میں ان دنوں ہومیوپیتھک دوا کھا رہا ہوں۔" انھوں نے کہا —

"کیا مطلب — ہومیوپیتھک دوا — یہ دوا تمھیں کس نے تجویز کر دی؟"

"میں خود ہی اپنا علاج کرتا ہوں — ہومیوپیتھک طریقِ علاج میں نے شوقیہ سیکھا ہے۔"

"تب پھر — یہ چکر ضرور ان دواؤں سے آیا ہے۔" ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جی نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔ بہر حال ان دواؤں کی وجہ سے میں انجکشن نہیں لگوا سکتا — میں ٹھیک ہوں، آپ فکر

نہ کریں، کل تک کام کاج کے قابل ہو جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" ڈاکٹر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر چلا گیا تو فولادی نے محمود اور فاروق سے کہا:

"اب تم دونوں اسے گھر لے جاؤ۔ آج کی میں اسے چھٹی دیتا ہوں۔"

"نہیں جناب! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی دیر تک کام کے قابل ہو جاؤں گا۔ ہاں! گھر جا کر بے کار بیٹھا تو ضرور بیمار ہو جاؤں گا۔"

"اچھا خیر۔ جیسے تمھاری۔"

اسی وقت ایک آدمی دوڑتا ہوا فولادی کے نزدیک پہنچ گیا:

"آپ کو فوری طور پر مسٹر سرور طوفانی بلا رہے ہیں۔ سر کا کوئی اہم ترین فون آیا ہے۔"

"اوہ اچھا!" فولادی نے کہا، پھر تیزی سے مڑ گیا۔

انسپکٹر جمشید کمزوری ظاہر کرتے ہوئے اٹھے اور ایک کان کی طرف بڑھے۔ لوگ اس میں کام کر رہے تھے، لیکن ابھی وہ کان تک پہنچے نہیں تھے کہ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو فولادی آ رہا تھا:

سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ایک ضروری اعلان

کرنا ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

اس اعلان کو کئی اور آدمیوں نے بھی دہرایا۔ جلد ہی سب اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے:

"سنو! سر کا فون آیا ہے۔ آج رات گاڑی پر مال لدوانا ہے۔ اور کچھ ناقص مال اتروانا بھی ہے۔ بارود کی کچھ پیٹیاں بھی آ رہی ہیں۔ اب ہم ان کانوں کو آسانی سے اڑا دیا کریں گے۔ آج رات سر بھی یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آج رات نہیں سوئیں گے۔"

"اور دوسری خطرناک خبر بھی سن لو۔" فولادی یہ کہ کر سانس لینے کے لیے رکا۔

"خطرناک خبر۔ کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"انسپکٹر جمشید اچانک دارالحکومت سے غائب ہو گیا ہے، کسی کو نہیں معلوم وہ کہاں ہے اور اس کے تینوں بچے بھی غائب ہیں۔ سر کو یقین ہے۔ وہ سیدھا قصبہ جانی پہنچے گا۔ انھوں نے حکم دیا ہے۔ اگر وہ ادھر آ جائے تو اسے اور اس کے بچوں کو کسی صورت بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔"

"اوہ! لیکن آج کی گاڑی تو گزر بھی چکی ہے۔" مجمع میں

سے کسی نے چونک کر کہا۔

"ہاں! تب تو وہ آ بھی چکے ہیں۔"

"اور ضرور وہ لوگ کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ سب کام چھوڑ کر پہلے ایک ایک گھر کی تلاشی لو۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ ہر آدمی اپنے گھر کی بجائے دوسرے کے گھر کی تلاشی لے۔"

"جی بہتر۔ فکر نہ کریں، ایسا ہی ہو گا۔"

وہ سب گھروں کی طرف مڑ گئے۔ کان کنی کے اوزار وہیں پڑے رہ گئے۔ فولادی پھر سرور طوفانی کے محل کی طرف مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ افراتفری میں ان کا خیال کسی کو نہیں رہا تھا:

"موقع اچھا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب۔ کس بات کا موقع؟"

"ان کانوں کا جائزہ لینے کا۔ اور دور دراز بنی اس عمارت کا۔ آخر وہ عمارت کیسی ہے؟"

"لیکن ادھر فرزانہ تنہا ہے۔ تلاشی لینے کے لیے وہاں کوئی نہ کوئی ضرور پہنچنے والا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ فرزانہ کوئی حل ڈھونڈ لے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ ان کانوں کی طرف بڑھے۔ یہ واقعی معدنیات کی

کانیں تھیں۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے مایوسانہ انداز میں منہ بنایا:

"یہ تو واقعی معدنیات کی کانیں ہیں۔"

"تو پھر۔ کیا آپ کا خیال تھا۔ یہ سونے کی کانیں ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! خیال تو میرا کچھ اسی قسم کا تھا، کم از کم میں یہ سمجھتا تھا، کانیں معدنیات کی ہرگز نہیں ہیں۔"

"گویا کسی قیمتی دھات کی ہو سکتی ہیں۔"

"ہاں! لیکن خیر۔ اب ہم اس عمارت کی طرف چلتے ہیں۔"

"ان کے سر بھی تو آج رات یہاں پہنچ رہے ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، ہم بھی ان سے ملاقات کر لیں گے۔"

"لیکن ابا جان۔ خفیہ طور پر ان سے ملاقات کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ لوگ ہماری اصلیت سے بے خبر رہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ فرزانہ بے وقوف نہیں ہے۔" انھوں نے کہا۔

اور ان کے قدم عمارت کی طرف اٹھ رہے تھے۔ وہ ایک سفید رنگ کی طویل عمارت تھی۔ اور تمام رہائشی عمارتوں

سے بالکل الگ تھلگ نظر آتی تھی۔ قدرے نزدیک پہنچ کر وہ ٹھٹک گئے۔ عمارت کے دروازے پر دو مسلّح پہرے دار موجود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سنگین لگی رائفلیں تھیں۔ وہ فوراً نیچے دبک گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ اس عمارت کے دروازے پر مسلّح پہرہ کیوں ہے۔ یہاں تو سب ان کے اپنے لوگ ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اور ہم۔ ہم بھی تو یہاں موجود ہیں۔ ایسے کسی خطرے کے لیے یہاں پہرے دار رکھے گئے ہوں گے۔"

"اور ہمیں عمارت میں داخل ہونا ہے۔" انسپکٹر جمشید فیصلہ کُن انداز میں بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ ہم غریب کیا کر سکتے ہیں۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

اب انھوں نے چکر کاٹنا شروع کیا اور عمارت کے پچھلی طرف پہنچ گئے، لیکن پھر چونک کر رک گئے۔ ادھر بھی ایک دروازہ موجود تھا اور دو مسلّح پہرے دار یہاں بھی موجود تھے۔

"اب ان سے دو دو ہاتھ کرنا پڑیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی اور پھر پتھروں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

جلد ہی تینوں کے ہاتھوں میں ایک ایک پتھر نظر آیا۔

"تینوں پتھر ایک ساتھ پھینکے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید اشاروں میں بولے۔

دونوں نے سر ہلا دیے، پھر تین پتھر پہرے داروں کی طرف تیر کی طرح گئے۔ انسپکٹر جمشید کا پتھر ایک کے سر پر لگا۔ اور ان دونوں کے دوسرے کے سر پر۔

ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں، پھر وہ تیورا کر گرے اور ساکت ہو گئے۔

"یہیں جمے رہو۔ چیخوں کی آواز دوسری طرف کے پہرے داروں تک ضرور گئی ہو گی۔ ان کو بھی آ لینے دو۔" انسپکٹر جمشید نے ہدایت دی۔ وہ وہیں رُک گئے۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ اور پھر دونوں پہرے دار سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں تین پتھر پہلے ہی تیار تھے۔ نتیجہ یہ کہ وہ دونوں بھی لمبے لیٹ گئے۔

"آؤ۔ اندر چلیں۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

وہ دروازے پر پہنچے، لیکن دروازے پر تالا لٹک رہا تھا۔ پہرے داروں کی تلاشی لی گئی، لیکن ان میں سے کسی کی جیب سے چابی برآمد نہ ہوئی۔

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔" انھوں نے کہا اور تالے پر پستول

کی تالی رکھ کر گولی داغ دی —

تالا کھل گیا — وہ اندر داخل ہو گئے — عمارت واقعی بہت لمبی چوڑی تھی — اندر انھیں کمرے ہی کمرے نظر آئے — ہر کمرے کے دروازے پر تالا تھا — آخر ایک کمرے کا تالا توڑا گیا — دروازہ کھول کر جب وہ اندر داخل ہوئے تو ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے، آنکھوں میں خوف دوڑ گیا، جسموں پر لرزا طاری ہو گیا —

پھر وہ جلدی سے باہر نکل آئے — ایک اور کمرے کا تالا توڑا گیا — اس میں بھی وہی کچھ نظر آیا — آخر وہ عمارت سے باہر نکل آئے — انسپکٹر جمشید نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا:

"اچھا ہی ہوا — ان لوگوں نے ہمیں خود ہی دعوت دے ڈالی اور ہم یہاں چلے آئے — اور پھر دوبارہ بھی آ گئے۔"

"آخر — یہ اتنا سب کچھ کس لیے ہے؟"

"یہی دیکھنا ہے — آؤ — جلدی کرو — ہمیں بالی کے گھر پہنچ جانا چاہیے۔" انھوں نے کہا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے گھر کی طرف چل پڑے — اچانک انسپکٹر جمشید رک گئے:

"شاید آج ہماری عقلیں گھاس چرنے چلی گئی ہیں۔"

"جی — وہ کیسے؟"

"ایسے کہ ہم ان چاروں پہرے داروں کو تو بھول ہی گئے — ان کا کوئی بندوبست تو کرنا ہی چاہیے — ورنہ وہ ہوش میں آ کر شور مچاتے ہوئے سرور طوفانی کی طرف دوڑ پڑیں گے۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ان کو باندھنے کے لیے رسی کہاں سے لائیں۔" محمود نے کہا۔

"خیر — اگر رسی کا بندوبست نہیں ہو سکتا تو ان کے سروں پر ایک ایک ہاتھ اور تو رسید کیا جا سکتا ہے، تاکہ بے ہوشی طویل ہو جائے۔" وہ بولے اور پہرے داروں کی طرف آئے:

"اوہو — ان کے سروں پر تو پہلے ہی کافی گہرے زخم آ چکے ہیں — کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں — آؤ چلیں۔" انھوں نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے —

[illegible] کے نزدیک انھیں خوب ہل چل محسوس ہوئی — گویا ان کی تلاش کا کام زور شور سے جاری تھا:

"اس کا مطلب ہے، ابھی تک کسی نے بالی کے گھر کی تلاشی نہیں لی — یہ اچھا ہی ہوا — آؤ۔" انسپکٹر جمشید خوش

ہو گئے۔ وہ لوگوں کے درمیان سے نکلے، بالی کے گھر کی
طرف بڑھے۔ ایسے میں کچھ لوگوں کی نظریں ان پر پڑیں
بھی، لیکن کسی نے کوئی سوال نہ کیا۔
یہاں تک کہ وہ بالی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور
محمود نے دستک دے ڈالی۔

*

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں
کہا اور ان کی طرف دیکھا، لیکن ان کی آنکھوں میں بھی
حیرت تھی، گویا وہ نہیں جانتے تھے۔ دروازے پر کون
ہے۔ فرزانہ نے چند لمحے کے لیے سوچا اور پھر آگے بڑھی،
اس نے دائیں ہاتھ میں لکڑی کا ایک ڈنڈا تھا۔ ڈنڈا اسے
پہلے ہی گھر میں نظر آگیا تھا۔
اس نے خود کو ایک طرف رکھتے ہوئے چٹخنی گرا دی اور
دروازہ کھول دیا۔ فوراً ہی ایک آواز ابھری:
"مجھے اس گھر کی تلاشی لینا ہے۔" دروازہ کھلتے ہی کہا گیا۔
"کیوں؟" فرزانہ نے آواز کو بھاری کر کے کہا۔
"اس لیے کہ انسپکٹر جمشید اور اس کے بچے کسی گھر میں

گھسے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ بالی گھر سے
باہر ہے۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا، لیکن اب وہ ٹھیک ہے۔
کیا میں اندر آجاؤں؟"
"آپ اکیلے ہیں۔ یا کوئی آپ کے ساتھ بھی ہے؟"
"نہیں! میں اکیلا ہی ہوں۔ ہر شخص دوسرے کے گھر
کی تلاشی لے رہا ہے۔"
"ہوں! ٹھیک ہے۔ آپ شوق سے اندر تشریف لے آئیں۔"
اس نے دل میں ہنس کر کہا۔
ایک شخص بے دھڑک اندر داخل ہوا اور پھر اس کے
سر پر ڈنڈا زور سے لگا۔ وہ چکرا کر گرا۔ چند لمحے کے
لیے اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر
وہ بے ہوش ہو گیا۔
فرزانہ نے فوراً چٹخنی لگا دی۔
"چلو چھٹی ہوئی اس کام سے بھی۔ اس کا مطلب ہے۔
ان لوگوں کو ہماری آمد کی خبر مل گئی ہے، لیکن بہرحال
ابھی انھیں یہ پتا نہیں چلا کہ ابا جان بالی کے میک اپ
میں ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی اور پھر بے ہوش آدمی پر جھک
گئی۔ تلاشی لینے پر اس کی جیب سے ضرورت کی کچھ چیزوں
کے علاوہ کچھ نہ ملا۔

وُہ اسے گھسیٹ کر آگے لے آئی اور پھر رسی سے جکڑنے لگی ۔ جلد ہی پھر دستک ہوئی ۔ انداز سے ہی اس نے جان لیا کہ دستک محمود نے دی ہے ؛ چنانچہ فوراً دروازہ کھول دیا :

"یہاں ہر طرح خیریت تو ہے فرزانہ ؟" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا ۔

"جی ہاں ! خیریت میں خلل ڈالنے والا بے ہوش پڑا ہے ۔" فرزانہ نے اشارہ کیا ۔

"بہت خوب ۔ مجھے پہلے ہی اُمید تھی کہ تم اس سے نبٹ لو گی ۔"

"تو ان لوگوں کو ہماری آمد کی خبر مل گئی ہے ؟" فرزانہ نے پوچھا ۔

"ہاں ! خیر پروا نہیں ۔ حالات اب ہمارے کنٹرول میں ہیں ۔ اب ہمیں رات کی گاڑی کا انتظار کرنا ہے ۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ گاڑی سے کیا مال آتا ہے اور کیا جاتا ہے ۔ دُوسرے یہ کہ ان کا باس بھی آ رہا ہے ۔ اور دراصل مجھے اس کی فکر ہے ۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا ۔

لیکن وُہ زیادہ دیر سکون کا سانس نہ لے سکے ۔ سپیکر پر سُنائی دینے والی ایک بلند آواز نے ان کے کان کھڑے کر

دیے ۔ اعلان کیا جا رہا تھا :

"سب لوگ گھروں سے نکل کر محل کے سامنے پہنچ جائیں، ایک ضروری اعلان کرنا ہے ۔"

اعلان کے ساتھ ہی لوگ گھروں سے نکلنے لگے ۔

"اب ہم کیا کریں ؟"

"کرنا کیا ہے ۔ میں بھی جاؤں گا ۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو گے ۔"

"جی بہتر !" وُہ بولے اور انسپکٹر جمشید باہر نکل آئے ۔

سب لوگ محل کی طرف دوڑتے نظر آئے ۔ وُہ بھی دوڑنے لگے ، ایسے میں کسی نے کہا :

"بالی ۔ تم کیوں دوڑ رہے ہو ۔ تمھاری طبیعت تو پہلے ہی خراب ہے ۔"

"میں ۔ اب ٹھیک ہوں ۔" وُہ بولے ۔

"لیکن پھر خراب ہوتے کیا دیر لگتی ہے ۔"

"کیا کیا جائے ۔ میں بھی سب کے ساتھ محل تک پہنچنا چاہتا ہوں ۔" وُہ بولے ۔

وُہ خاموش ہو گیا ۔ ایک منٹ بعد ہی سب محل کے سامنے کھڑے تھے ، پھر محل کا دروازہ کھلا اور سرور طوفانی کی صورت دکھائی دی ۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن اور بے چینی کی جھلک

تھی ، آخر اس کے ہونٹ ہلے :

" ابھی تک انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کا کوئی پتا نہیں چلا۔ نہ جانے وہ کہاں چھپے ہیں ؟ "

" اوہ ! " کئی لوگوں کے منہ سے نکلا۔

" لہٰذا میں نے یہ ضروری خیال کیا کہ سب لوگ یہاں ٹھہریں۔ اور میرے چند ساتھی ہر گھر کی تلاشی لیں " سرور طوفانی نے کہا۔

" ٹھیک ہے جناب ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں " بہت سی آوازیں ابھریں۔

" زاہد ، فولادی ۔ جولانی ۔ تم تینوں یہ کام کرو گے ۔ ہر گھر میں مسلح حالت میں داخل ہونا ۔ اور بیک وقت تینوں کسی ایک گھر میں نہ گھسیں " اس نے حکم دیا۔

" بہت بہتر جناب ۔ آپ فکر نہ کریں "

" میں جلد از جلد یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں ، کیوں کہ آج رات سر بھی یہاں پہنچ رہے ہیں ، ایسا نہ ہو کہ وہ آجائیں اور ہم ان کو تلاش نہ کر سکیں "

" آپ فکر نہ کریں سر ۔ اگر وہ یہاں کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں تو ہم انھیں ضرور تلاش کر لیں گے ۔ وہ ہماری نظروں سے بچ نہیں سکتے " فولادی نے کہا۔

" خوب ! " اس کے منہ سے نکلا۔

" تو کیا ہمیں اجازت ہے جناب "

" ہاں ! تیر کی طرح جاؤ اور آندھی کی طرح واپس آؤ "

" ایک منٹ جناب " ایک بلند آواز گونجی۔

" کون بولا تھا ؟ " سرور طوفانی نے بھنّا کر کہا۔

" یہ میں ہوں جناب ۔ موناک " ایک شخص نے آگے آ کر کہا ۔ انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں الجھن ناچنے لگی ۔

" کیا ہے موناک ؟ "

" میرا دوست ۔ غالب غائب ہے "

" غالب غائب ہے ۔ کیا مطلب ؟ " سرور طوفانی نے اچھل کر کہا ۔

" غالب اور میں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے ہیں ۔ یہ بات سب کو معلوم ہے ۔ تلاشی لینے کے لیے ہم الگ الگ ہوئے تھے ، ایک گھر میں وہ گھسا تھا ۔ دوسرے میں میں ۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے اعلان سنا اور میں ادھر آگیا ۔ لیکن غالب اب تک میرے پاس نہیں پہنچا ۔ جب کہ وہ مجھ سے الگ یہاں کہیں کھڑا ہو ہی نہیں سکتا "

" ہاں ! سب جانتے ہیں ۔ تمھاری دوستی مثالی ہے "

" تب پھر ۔ جلدی کریں نا جناب ۔ کہیں وہ ان کے ہتھے

نہ چڑھ گیا ہو۔"

"ہوں! اس کا امکان ہے۔ ویسے وہ کس کے گھر میں داخل ہوا تھا؟"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ گھر بالی کا تھا۔"

"بالی۔ جو بے ہوش ہو گیا تھا۔" سرور طوفانی جلدی سے بولا۔

"جی ہاں۔ وہی۔"

"اوہ۔ جلدی کرو۔ فولادی۔ زاہد۔ سب سے پہلے بالی کے گھر کا جائزہ لو۔ باقی سب لوگ یہیں ٹھہریں گے۔ میں بھی یہیں موجود رہوں گا۔"

"ابھی لیجیے جناب۔" انھوں نے کہا اور دوڑ لگا دی۔

"کیا یہاں بالی موجود ہے؟" سرور طوفانی نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں جناب۔ میں اس طرف موجود ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے پُر سکون آواز میں کہا۔ ذرا بھی گھبراہٹ ان کے لہجے سے نہ جھلکی۔

"تم اس وقت کہاں تھے۔ جب غالب تمھارے گھر میں تلاشی لینے داخل ہوا؟"

"میں گھر کی طرف ہی جا رہا تھا۔ کمزوری کی وجہ سے تیز نہیں چل سکتا تھا جناب۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ جس وقت اعلان ہوا، اس وقت

تم کہاں تھے؟"

"میں گھر پہنچ چکا تھا۔"

"تب پھر۔ کیا غالب تلاشی لے کر جا چکا تھا؟"

"نہیں جناب۔ اس وقت تک وہ اندر ہی موجود تھا۔" وہ بولے۔

"گویا اعلان سنتے ہی تم باہر نکل آئے۔ اور وہ۔"

"میں تو فوراً ادھر چلا آیا۔ اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ اب تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

چھینک

"یوں مزا نہیں آئے گا۔ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیے۔" محمود نے ان کے جانے کے بعد کہا۔

"جو تم کہو۔ کر گزریں۔" فرزانہ بولی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ ہم ذرا باہر کے حالات کا جائزہ لے آئیں۔"

"باہر ابّا جان جا تو چکے ہیں۔"

"وہ سرور طوفانی کے محل تک گئے ہیں۔ سب کو اچانک بلایا گیا ہے۔ ہماری تلاش میں وہ پہلے ہی ناکام ہو چکے ہیں، ان حالات میں ہم جس قدر بھی باخبر رہیں، اتنا ہی بہتر ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا اور دونوں باہر نکل گئے۔ فرزانہ ایک بار پھر دشمنوں کے درمیان تنہا رہ گئی۔

وہ دونوں بھی محل کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر انھوں نے سرور طوفانی اور اپنے والد کے درمیان ہونے والی پوری گفت گو سنی۔ اُن کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ فوراً اُلٹے

قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔ یہاں تک کہ مجمعے سے قدرے فاصلے پر آ گئے۔ اب انھوں نے اپنے رُخ تبدیل کیے اور پُرسکون انداز میں چلتے ہوئے بالی کے گھر میں داخل ہو گئے:

"فرزانہ ہمیں فوراً یہ گھر چھوڑنا ہے۔"

"کیوں خیر تو ہے؟"

"یہ بتانے کا وقت نہیں۔ کہیں ہم تینوں بھی نہ پھنس جائیں۔"

"بھی۔ کیا مطلب۔ کیا ابّا جان۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"میں نے کہا نا۔ یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔ ورنہ ہم سب کی چٹنی بن جائے گی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

تینوں فوراً باہر نکل آئے۔ دروازے پر تالا لگایا اور جنگل کی طرف بڑھنے لگے۔ اب ان کے پاس جنگل میں پناہ لیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

"زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ لوگ بھی جنگل کا رُخ کریں گے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"پروا نہیں۔ رات کی گاڑی جب تک نہیں آ جاتی۔ ہم ان کے سامنے نہیں آ سکتے۔ اس کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھا سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"تب پھر ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا ہو گی۔ جہاں چھپنے کے بعد ہمیں تلاش نہ کیا جا سکے۔" فاروق بولا۔

"اللہ نے چاہا تو ہم ایسی جگہ تلاش کر لیں گے۔"

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ ایسی جگہ کی تلاش میں ان کی نظریں گردش کرتی رہیں اور پھر وہ بستی دوڑتے قدموں سے گونج اٹھی:

"اوہ! وہ سب کے سب ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

اچانک ان کی نظریں ایک چیز پر جم گئیں۔ فاروق کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے تینوں تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد بہت سے دشمن ہاتھوں میں لاٹھیاں، تلواریں اور پستول لیے وہاں سے گزر رہے تھے۔ اور وہ دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ گویا انھوں نے چھپنے کی جگہ تلاش کر لی تھی۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ رات کا وہ لمحہ آ پہنچا۔ جب گاڑی کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک ان کی تلاش کرنے والے بری طرح تھک چکے تھے اور مایوس ہو چکے تھے؛ چنانچہ انھوں نے اسٹیشن کا رخ کیا۔ اسٹیشن پر

وہ سب لوگ پہلے سے موجود تھے۔ گویا اپنے باس کے استقبال کے لیے آئے تھے۔ انھیں اس باس کو دیکھنا تھا۔ اور یہ بھی کہ کیا چیز لائی جانے والی تھی۔ اور کیا کچھ لے جایا جانے والا تھا۔

آخر ٹرین رک گئی۔ اس پر سے بڑی بڑی پیٹیاں اتاری گئیں۔ اور بڑی بڑی پیٹیاں گاڑی پر رکھی گئیں۔ اس دوران لمبے قد والا ایک بھاری بھر کم آدمی ٹرین کے ایک ڈبے سے نیچے اترا اور ان لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سب سے آگے چلتا وہ اسٹیشن سے باہر نکل آیا:

"محل کا رخ کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کا کیا بنا؟"

"انسپکٹر جمشید کو گرفتار کیا جا چکا ہے سر۔"

"ویری گڈ۔ یہ تم نے بہت کام کی خبر سنائی۔ میں نے بھی تو بروقت اطلاع دی تھی۔" اس نے کہا۔

"یس سر۔ اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ بولا۔

"خیر۔ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"مم۔ معاف کیجیے گا سر۔ ابھی ہم اس کے بچوں کو۔" سرور طوفانی کہتے کہتے رک گیا۔

"اس کے بچوں کو کیا۔"

"گرفتار نہیں کر سکے۔ وہ نہ جانے کہاں چھپ گئے ہیں۔"

"اوہ۔ یہ تو اچھی خبر نہیں ہے۔"

"لیکن سر۔ فکر کی بھی کون سی بات ہے۔ ہم نے اصل دشمن پر قابو پا لیا ہے۔ وہ بچے ہمارا کیا بگاڑ سکیں گے۔"

"نہیں بھئی۔ تم نہیں جانتے۔ وہ تینوں شیطان کے چیلوں سے بھی زیادہ تیز ہیں۔ ان کو تلاش کرنا ہوگا۔ ٹھہرو میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہاں بالکل۔ اس پر عمل کرنا ہوگا۔"

"کیا ترکیب سر؟" سرور طوفانی نے خوش ہو کر پوچھا۔

"پہلے تو یہ بتاؤ۔ انسپکٹر جمشید کی نگرانی تو پوری طرح کرائی جا رہی ہے؟"

"فکر نہ کریں سر۔ پچاس آدمی ان کے گرد پستول لیے موجود ہیں۔ آخر وہ کس کس کی گولی سے بچ سکے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ گویا وہ تینوں بھی اسے نہیں چھڑا سکیں گے۔"

"بالکل نہیں۔"

"میرا مطلب ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ تم اِدھر آ گئے ہو اور وہ اسے چھڑانے اُدھر نکل گئے ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہمارے خیال میں تو ایسا نہیں ہوا سر۔ ویسے اگر انھوں نے اُدھر کا رُخ کیا ہوگا تو منہ کی کھائی ہوگی۔"

"خیر۔ یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہوگا۔ ویسے اس کو رکھا کہاں گیا ہے؟"

"محل کے اندر۔ سب سے محفوظ کمرے میں۔ کمرے کے دروازے اندر سے بند ہیں۔ اور اندر انسپکٹر جمشید پچاس پستول برداروں کے گھیرے میں ہے۔"

"بہت خوب، تب تو مجھے یقین ہو چلا ہے کہ وہ اب تک ہمارے قبضے میں ہوگا۔"

"بالکل سر۔" سرور طوفانی نے فخریہ انداز میں کہا۔

پھر وہ محل کی طرف روانہ ہوئے:

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"اور وہ فیصلہ کیا ہے سر؟"

"انسپکٹر جمشید کو باہر نکال کر اُلٹا لٹکا دو۔ اور چاروں طرف اعلان کرا دو کہ اگر پانچ منٹ کے اندر اندر ان کے تینوں بچے ہمارے سامنے حاضر نہ ہو گئے تو اس کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے۔ اس ترکیب سے وہ فوراً سامنے آ جائیں گے۔"

"ویری گڈ! اس سے اچھی ترکیب ہو ہی نہیں سکتی۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ اس قافلے کے پیچھے چھپتے
چلے آرہے تھے۔ بلند آواز میں ہونے والی اس گفت گو
کا ایک ایک لفظ سنتے رہے تھے۔ اور یہ ترکیب سُن کر ان
کا خون گویا رگوں میں خشک ہونے لگا۔ تینوں نے بے چارگی
کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسے میں فرزانہ
نے سرگوشی کی:

"مایوس ہونا گناہ ہے۔"

☆

محل کے نزدیک پہنچ کر سارا مجمع رُک گیا۔ باہر بڑے
بڑے بلب لگا دیے گئے تھے۔ اور محل کے باہر خوب روشنی
ہو رہی تھی۔ اس مجمعے کے پیچھے وہ درختوں کی اوٹ میں
کھڑے تھے:

"آج ہمارا امتحان ہے۔" فرزانہ نے ایک بار پھر سرگوشی
کی۔

"اللہ مالک ہے۔" محمود بولا۔

"ہم ان شاء اللہ ثابت قدم رہیں گے۔"

جلد ہی انسپکٹر جمشید کو باہر لایا گیا۔ وہ رسیوں سے جکڑے

ہوئے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے انہیں اُلٹا لٹکا دیا گیا۔
اُلٹا لٹکانے کے لیے رسی ایک درخت سے لٹکائی گئی۔

"اب اعلان کراؤ۔ پہلے محل کے لاؤڈ سپیکر سے، پھر
چند آدمی چاروں طرف جا کر اعلان کریں۔" ان کے باس
نے حکم دیا۔

"اوکے سر۔" سرور طوفانی نے کہا۔

پھر سپیکر پر یہ اعلان گونجنے لگا:

"انسپکٹر جمشید کے بچو۔ تمہیں خبردار کیا جاتا ہے۔ اگر تم
پانچ منٹ کے اندر اندر ہمارے سامنے حاضر نہ ہوئے تو
تمہارے والد کے جسم کو گولیاں مار مار کر چھلنی کر دیا جائے گا،
تمہارے والد اس وقت ایک بے بس انسان کی طرح درخت سے
اُلٹے لٹک رہے ہیں۔"

چند مرتبہ یہ اعلان دہرایا گیا، پھر آٹھ آدمی مجمعے سے
نکل کر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ ان کی اعلان کرتی آوازیں ان
تک بھی پہنچتی رہیں، پھر ان میں سے دو آدمی دوڑتے ہوئے
واپس آئے:

"کیا تمہیں وہ تینوں نظر آگئے ہیں؟" سرور طوفانی نے بلند
آواز میں پوچھا۔

"نن۔ نہیں جناب۔ ہم سفید عمارت کی طرف گئے تھے اعلان

کرتے ہوئے۔ وہاں۔ وہاں۔" وہ ہکلانے لگا۔

"وہاں کیا بات ہے؟" لمبا آدمی غرّایا۔

"وہاں ہمارے مسلح نگران بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کے سر پھٹے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔ کہیں وہ سفید عمارت کے اندر تو نہیں داخل ہو گئے، اور وہیں تو نہیں چھپے ہوئے۔" لمبا آدمی بڑبڑایا۔

"اس کا امکان ہے سر۔"

"تو پھر جلدی کرو۔ پوری عمارت کو اندر سے اچھی طرح کھنگال ڈالو۔"

"یہ کام میں اپنی نگرانی میں کروں گا سر۔ نصف آدمی یہاں رہیں گے۔ نصف میں ساتھ لے جاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن جلدی کرو۔" لمبے آدمی نے کہا۔

پندرہ منٹ بعد سرور طوفانی اور اس کے ساتھی منہ لٹکائے واپس آگئے۔

"نہیں جناب وہ لوگ عمارت میں نہیں ہیں۔ ویسے وہ عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"یہ بہت غلط بات ہو گئی۔ سنو۔ وہ اگر موجود ہیں تو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہو سکتے۔ اعلان کر دو۔ اب صرف دو منٹ کی مزید مہلت دی جاتی ہے۔ ٹھیک دو منٹ بعد

گولیوں کی بارش کر دی جائے گی۔"

یہ اعلان بھی کر دیا گیا۔ محمود اور فاروق نے بے تابانہ انداز میں گھڑیوں کی طرف دیکھا۔ اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی، لیکن فرزانہ نے ہاتھ آگے کر دیے:

"میں نے کہا تھا نا۔ آج ہمارا امتحان ہے۔ مہربانی فرما کر امتحان میں فیل ہونے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے اشاروں میں کہا۔

محمود اور فاروق کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی۔ آخر فرزانہ نے اپنا منہ محمود کے کان پر رکھ دیا اور بولی:

"احمق نہ بنو محمود۔ خود کو ان کے حوالے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ لوگ زندہ تو ہمیں ویسے بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ کیوں کہ ہم ان کے بہت بڑے دو راز جان چکے ہیں، لہٰذا ان کے سامنے جانے کا کیا فائدہ۔"

یہی بات اس نے فاروق کے کان میں کہی۔ بات ان دونوں کی سمجھ میں ضرور آگئی، لیکن مارے گھبراہٹ کے ان کا بُرا حال تھا۔

دو منٹ گزرنے میں اب صرف چند سیکنڈ باقی تھے اور یہ سیکنڈ بھی بلا کی تیزی سے گزرتے محسوس ہوئے۔ انسپکٹر جمشید کے چاروں طرف صرف پستول بردار کھڑے تھے۔ ان سب کے

پستولوں کی نالیں ان کے جسم کی طرف تھیں ۔ انسپکٹر جمشید ہوش
میں تھے اور دشمنوں کو ان کے چہرے پر ذرا بھی خوف نظر
نہیں آرہا تھا ۔

" دو منٹ پورے ہونے میں اب صرف پندرہ سیکنڈ باقی ہیں"۔
لمبے آدمی نے بلند آواز میں کہا ، پھر اس کا ہاتھ اوپر اُٹھ گیا :

" جُوں ہی میرا ہاتھ یک دم نیچے گِرے ۔ تم لوگ اپنا
اپنا پستول خالی کر دو گے " اس نے کہا ۔

" او کے سر ۔ ہم تعمیل کریں گے "

پستول اور بھی تن گئے ۔ اُنگلیاں ٹریگروں پر جم گئیں ۔ محمود ،
فاروق اور فرزانہ کے دل دھک دھک کر رہے تھے ۔ ان کی
نظریں گھڑیوں پر جمی تھیں ۔ ایسے میں فرزانہ نے ایک بار پھر
سرگوشی کی :

" خبردار ۔ ثابت قدم رہنا ہے "

دونوں نے سر ہلا دیے ۔ عین اسی وقت دو منٹ پورے
ہو گئے ، لیکن لمبے آدمی کا ہاتھ اوپر ہی رہ گیا ، نیچے نہ گرا ۔

" یہ کیا کیا سر ۔ آپ نے گولیاں کیوں نہیں چلوائیں "

" اس لیے کہ انسپکٹر جمشید کے بچے جیت گئے ۔ اور میں ہار
گیا ۔ میری ترکیب فیل ہو گئی " اس نے تھکے تھکے لہجے میں
کہا ۔

" یہ بھی تو ہو سکتا ہے سر کہ اس کے تینوں بچے یہاں ہوں
ہی نہ ۔ اور وُہ دُور نکل گئے ہوں " سرور طوفانی نے خیال ظاہر
کیا ۔

" نہیں ۔ مَیں اس بات کو نہیں مانتا ۔ وُہ یہیں کہیں چھپے
ہوئے ہیں ۔ جاؤ ۔ ایک بار پھر ان کو تلاش کرو ۔ ان کو
تلاش کرنا ہی ہو گا ۔ ورنہ قصبہ جانی سے ہم سب کو فرار
ہونا پڑے گا "

" اوہ ! " سرور طوفانی اور چند دُوسرے ساتھی زور سے چونکے ۔

" ہاں ! حکومت کے علم میں جب یہ بات آ گئی کہ ہم
یہاں کیا کر رہے ہیں تو پھر وُہ بڑی سے بڑی سفارش بھی
ٹھکرا دے گی ۔ پہلی بار تو تم لوگوں پر صرف اتنا الزام
تھا کہ تم نے ان کو پھانس کر ختم کرنے کی کوشش کی تھی ۔
اور بس ۔ لیکن اب معاملہ اور ہو گا "

" ہوں ! آپ ٹھیک کہ رہے ہیں ، میں نے اس پہلو سے
ابھی تک معاملے کا جائزہ نہیں لیا تھا ۔ خیر آپ فکر نہ کریں ۔
ہم بھی ان کو تلاش کر کے چھوڑیں گے "

" میرا خیال ہے ۔ انسپکٹر جمشید کو اب پھر محل کے اس
کمرے میں قید کر دیا جائے ۔ آخر ہم کب تک یہاں کھڑے
رہیں گے "

"بہت بہتر جناب۔"

تھوڑی دیر بعد محل کے سامنے سے مجمع چھٹ چکا تھا۔ اور ان کی تلاش میں مختلف گروہ چاروں طرف روانہ کیے جا چکے تھے۔ جب کہ وہ ابھی تک وہیں دبکے ہوئے تھے۔ میدان صاف دیکھ کر وہ تاریک گوشوں کا سہارا لیتے محل کے پچھلے حصے کی طرف آئے اور اس کا جائزہ لیا، لیکن کوئی پائپ وغیرہ نظر نہ آیا۔

محل کے صدر دروازے پر دو مسلح پہرے دار بدستور موجود تھے۔ گویا ان کو ہٹائے بغیر وہ اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

"فرزانہ ترکیب بتائے گی۔ بہت دیر ہو گئی۔ اس نے کوئی ترکیب نہیں بتائی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ان دونوں کو دروازے پر سے ذرا دیر کے لیے ہٹانا میرا کام۔ اندر داخل ہونا تمہارا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

"تم۔ تمہارا مطلب ہے۔ تم ہمارے ساتھ اندر نہیں جاؤ گی؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔ شاید میں بھی اندر داخل ہو سکوں۔"

"خیر۔ ترکیب پر عمل کیا جائے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا، اسے تیز نظروں سے گھورا اور پھر محل کے سامنے کی طرف پہنچنے کے لیے چکر کاٹنے لگی۔ محمود اور فاروق اس سے الگ کافی فاصلے پر رینگ رہے تھے، انہیں محل کے دروازے کے نزدیک رہنا تھا، تاکہ موقع ملتے ہی اندر داخل ہو جائیں۔

سامنے کی طرف پہنچ کر اس نے ایک درخت کی اوٹ لی اور ایک زوردار چھینک ماری۔

ایسی کی تیسی

محل کے اندر ایک ہال نما کمرے کے فرش پر انسپکٹر جمشید رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود ان کے چاروں طرف پستول بردار موجود تھے۔ ایک طرف کرسی پر لمبے قد والا بیٹھا تھا:

"کیا خیال ہے انسپکٹر جمشید۔ تمھارے بچے یہاں سے دوڑ لگا گئے۔"

"ایسا کر کے وہ بہت عقل مندی کا ثبوت دیں گے۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"گویا وہ تمھیں موت کے منہ میں چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔ ہم لوگوں کے نزدیک اپنی جانوں کی اتنی اہمیت نہیں۔ جتنی دین، ملک اور قوم کی ہے۔"

"تب بھی۔ وہ کس طرح دارالحکومت تک پہنچیں گے۔

دن نکلنے سے پہلے کوئی گاڑی اسٹیشن پر نہیں رکے گی۔"

"وہ اپنے راستے خود بنا لیتے ہیں۔ تم فکر نہ کرو اور یہ بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"تم مجھے نہیں جانتے۔ حیرت ہے۔"

"تم دراصل اس وقت میک اپ میں ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اس کے چہرے پر حیرت نمودار ہوئی، لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنی حیرت پر قابو پا لیا:

"ہوں! خیر۔ تم نے یہ بات بھانپ لی، گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میرے اصل چہرے سے ضرور واقف ہو گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"مجھے تمھارے بچوں کی فکر ہے۔ وہ ہمارے قابو میں آئے اور ہم نے تم چاروں کا کام تمام کیا۔"

"میں نے تم جیسا بزدل دشمن آج تک نہیں دیکھا۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"بزدل دشمن۔ کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اوّل تو مجھے باندھا گیا ہے، پھر میرے ارد گرد پستول بردار موجود ہیں، تیسرے کمرے کے دروازے بند ہیں۔ یہ بزدلی کی بدترین مثال ہے یا نہیں۔"

"ہو گی۔ میں خطرناک دشمن کو ڈھیل دینے کا عادی نہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ اس بستی کے لیے موت کا پیغام لے کر آئیں گے۔ مجھے یہ یقین ہو چلا ہے۔"

"اس صورت میں بھی میں تمہیں دوسری دنیا میں پہنچا کر رہوں گا۔"

"پروا نہیں۔ مرنا تو ایک دن ہے ہی۔ دین اور ملک کے لیے اگر جان جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہو گی۔"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ موت کس قدر بھیانک چیز ہے، یہ تو مرتا ہوا آدمی ہی جانتا ہے۔"

"تب یہ تمہیں بھی جاننا پڑے گا، کیوں کہ تم بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہو گے۔"

"ہاں! لیکن اس وقت تک خوب عیش کر چکا ہوں زندگی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا چکا ہوں۔"

"اور مرنے کے بعد آگ میں جلنا ہوگا۔ جہنم کی آگ میں۔"

"جہنم وہنم کو ہم نہیں مانتے۔"

"تمہیں موت سے پہلے ہی دکھا دی جائے گی۔ فکر نہ کرو۔"

"تم انسپکٹر جمشید ہو یا مولوی؟"

"ہر مسلمان کو اس حد تک تو مولوی ہونا چاہیے۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"تم نے یہ نہیں پوچھا۔ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"میں سفید عمارت کے اندر ہو آیا ہوں۔"

"اوہ! میرا خیال تھا۔ تمہارے بچے وہاں پہنچے تھے۔"

عین اسی وقت باہر ایک چیخ کی آواز گونجی۔ وہ چونک اٹھے۔

"دو آدمی باہر جا کر دیکھیں۔ کیا معاملہ ہے؟"

"او کے سر۔" جواب میں کہا گیا اور دو پستول بردار کمرے سے نکل گئے۔

★

"یہ۔ یہ۔ اس طرف کون چھینکا تھا؟" ایک پہرے دار نے چونک کر کہا۔

"کوئی چھینکا تو ضرور تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ کون؟" دوسرے نے کہا۔

"ہر وقت مذاق نہ کیا کرو۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں کہیں یہ وُہی نہ ہوں۔"

"ذرا ہوشیار ہو کر جانا۔ سُنا ہے۔ وُہ بہت چالاک ہیں۔"

"ان کی چالاکی کی ایسی کی تیسی۔ میں بھی سو چالاکوں کا ایک چالاک ہوں۔"

اس نے کہا کہ اس طرف بڑھا۔ جس طرف سے چھینک کی آواز سنائی دی تھی۔ جب وُہ قدرے فاصلے پر آگیا تو فرزانہ نے اس کے پیچھے نمودار ہو کر ایک درخت کی شاخ اس کے سر پر دے ماری۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کک۔ کیا ہوا؟" دُوسرا ہکلایا۔

لیکن وُہ بے چارہ کیا جواب دیتا۔ شاخ بہت موٹی تھی اور پورے زور سے ماری گئی تھی۔ جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو دوسرا بھی تیر کی طرح اس طرف بڑھا۔ اور اس کے سر کو بھی شاخ چاٹ گئی۔

ادھر محمود اور فارُوق محل کے دروازے تک پہنچ چکے تھے، انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اندر داخل ہوگئے۔

"سُنو بھئی۔ اس وقت سب لوگ یا تو اس کمرے میں ہیں۔ جس میں ابا جان کو رکھا گیا ہے۔ یا پھر ہماری تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"تو پھر۔" فارُوق نے اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر یہ کہ باقی تمام کمرے خالی پڑے ہوں گے۔ کیوں نہ ہم موقعے سے بھرپُور فائدہ اُٹھائیں۔"

"موقعے سے بھرپُور فائدہ اُٹھانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ خیر بتاؤ۔ کیا کرنا ہے؟"

"اس کمرے تک پہنچنے سے پہلے۔ جس میں ابا جان کو رکھا گیا ہے۔ میں ایک کام کرنا چاہتا ہوں، آؤ میرے ساتھ۔"

اس نے کہا اور اس کمرے کی طرف بڑھا جس میں وُہ سرور طوفانی کے ساتھ آئے تھے۔

تین منٹ بعد وُہ وہاں سے باہر نکلے اور پھر محمود کے منہ سے ایک چیخ کی آواز نکلی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ تم پر کسی بھُوت نے حملہ تو نہیں کر دیا۔" فارُوق نے گھبرا کر کہا۔ آواز اب بھی بہت نیچی تھی۔

"تم سے بڑا بھُوت بھی کوئی ہو سکتا ہے۔" محمود نے شوخ آواز میں کہا۔

"اے خبردار۔ بھُوت ہو گے تم خود۔" فارُوق نے جل بھُن کر کہا۔

"آؤ۔ چیخ کا ردِ عمل ہونے والا ہے۔" محمود نے کہا اور اسے ساتھ لے کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ دونوں نے کسی ہتھیار کی

تلاش میں نظریں دوڑا دیں۔ جلد ہی انھیں تپائی پر رکھا پتھر کا
ایک مجسمہ نظر آ گیا۔ محمود نے مجسمہ اُٹھا لیا اور بولا:

"ان حالات میں یہ ایک بہترین ہتھیار ثابت ہوگا۔"

"اِن شاء اللہ بھی ساتھ کہہ دیا کرو۔ کوئی زبان نہیں گھس
جائے گی۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"اوہ ہاں۔ معاف کرنا۔ بھول گیا۔ تو اب کہے دیتا ہوں۔
اِن شاء اللہ۔"

جلد ہی قدموں کی آواز اُبھری۔ اور کوئی تیز تیز چلتا ان
کے کمرے کے پاس سے گزرا:

"اے بھائی صاحب۔۔ ہم یہاں ہیں۔" فاروق بول اُٹھا۔

وہ اُچھل پڑا۔ پہلے تو اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ
گیا، پھر فاروق کو خالی ہاتھ دیکھ کر وہ شیر ہو گیا۔ ہاتھ میں
تھاما پستول اس کی طرف اُٹھ گیا۔

"اندر ہی آ جاؤ۔" فاروق نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ احمقوں کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ محمود کا ہاتھ
تیزی سے جھکا اور مجسمہ اس کے سر پر لگا۔ ساتھ ہی ایک
چیخ اور گونجی۔ محمود نے مسکرا کر کہا:

"یہ چیخ ایک اور آدمی کو باہر لائے گی۔" یہ کہہ کر اس
نے بے ہوش دشمن کا پستول اُٹھا لیا اور مجسمہ فاروق کی طرف

بڑھا دیا۔

"لیکن کب تک۔ وہ پچاس کے قریب ہیں۔"

"پروا نہ کرو۔ اللہ مالک ہے۔"

اس مرتبہ دو آدمی ادھر سے گزرے۔ محمود نے ہلکی سی
آواز میں کہا:

"مم۔ معاف کیجیے گا جناب۔ ہم یہاں ہیں۔"

وہ بوکھلا اُٹھے، پھر بے دھڑک اندر گھس گئے۔ فاروق
نے پیچھے سے نکل کر مجسمہ ان کے سروں پر برسایا۔ دونوں
تیورا کر گرے۔ اب ان کے پاس تین پستول ہو گئے —

اسی وقت انھوں نے فرزانہ کی آواز سُنی:

"ٹھیک ہے۔ تیسرا پستول میرے لیے ہے۔"

"اوہ۔ تو تم بھی آ گئیں۔"

"اور کیا کرتی۔ باہر کوئی کام ہی نہیں تھا۔ ویسے میں
آتے ہوئے ایک کام دکھا آئی ہوں۔"

"اور وہ کیا؟"

"ابھی نہیں۔ پہلے ہمیں مقابلے کی تیاری کر لینی چاہیے،
اب شاید زیادہ لوگ باہر آئیں گے۔ آرے ہاں۔ ہم الگ الگ
کمرے میں کیوں نہ چھپ جائیں۔ اس طرح ہم دشمن پر تین طرف
سے وار کر سکیں گے۔"

"اچھی ترکیب ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"فرزانہ ترکیب بتائے اور اچھی نہ ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

جلد ہی وہ تین کمروں میں جا چکے تھے اور دروازے تھوڑے سے کھولے باہر نکلنے والے دشمنوں کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر چھے آدمی باہر نکلے۔

اب ان کا دست بدست مقابلہ مشکل تھا؛ چنانچہ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ان کو پستولوں کی زد پر لے لیا۔

چھے فائر ہوئے۔ چھے چیخیں گونجیں اور چھے لاشے تڑپنے لگے۔ تینوں پلک جھپکتے میں باہر نکلے اور ان کے پستول اٹھا کر پھر اپنے کمرے میں آ گئے۔

"اسے کہتے ہیں گوریلا جنگ۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"لیکن فرزانہ۔ تم نے اب تک نہیں بتایا۔ کیا کام دکھا آئی ہو؟"

"بتائے کیسے۔ بھول گئی ہو گی۔" فاروق منمنایا۔

"یار چپ رہو۔ گولیاں برس رہی ہیں اور تم باتیں برسانے سے باز نہیں آ رہے۔"

"تنگ۔ کیا کروں۔ مجبور ہوں۔"

عین اسی وقت کسی نے چیخ کر کہا:

"وہ تینوں تین کمروں میں موجود ہیں۔ اب تک ہمارے دس گیارہ ساتھی ہلاک یا زخمی کر چکے ہیں۔"

"تب پھر تم سب مل کر ان پر ٹوٹ پڑو اور ان کی تکا بوٹی کر دو۔" ان کے باس کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"او کے سر۔"

اس کمرے کا دروازہ کھلا اور ان تینوں کمروں کے دروازوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی، لیکن وہ تو کمرے اندر سے بالکل بند کر چکے تھے۔

یہ دیکھ کر دشمن باہر نکلے اور دروازے توڑنے لگے۔ اچھی بھلی دھما چوکڑی مچ گئی۔ ایسے میں ان پر روشن دانوں سے فائرنگ ہونے لگی۔ دشمن کے کئی آدمی گرے اور تڑپنے لگے۔ باقی بھاگ کر ادھر ادھر دبک گئے:

"ہاں دوستو۔ توڑو دروازے۔ توڑتے کیوں نہیں؟"

"کب تک۔ تم کب تک مقابلہ کرو گے۔ تم صرف تین ہو۔" ایک دشمن غرایا۔

"ہم مرتے دم تک مقابلہ کریں گے۔" محمود مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ اب ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔" ایک بولا۔

"تم دوسرے طریقے کی بات کرتے ہو۔ ہماری طرف سے

تیسرا بھی کر لو۔"

اسی وقت ان کے باس کی آواز سنائی دی:

"یہ تم لوگوں نے کیا شروع کر دیا۔ ان کے ساتھ فائرنگ کا مقابلہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" آواز میں غراہٹ تھی۔

"تو پھر۔ کیا کرتے سر۔ کیا ان کو آپ تک پہنچ جانے دیتے۔"

"ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"لیکن انھوں نے پستول حاصل کر لیے تھے۔"

"اچھا خیر۔ جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اب ان کی زد میں آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خود ہی باہر نکل آئیں گے۔ میں ان کے والد کا کانٹا نکال رہا ہوں۔"

"ہائیں۔ ابا جان کے کوئی کانٹا چبھ گیا ہے۔"

"وہ خود ایک بہت بڑا کانٹا ہے۔" باس نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ کے اور دوسرے جرائم پیشہ کے لیے ہوں گے جناب، ہمارے تو ابا جان ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اب تم بے شک ان کمروں میں بند رہو۔ میں تمھارے بندھے ہوئے والد پر فائر کھول رہا ہوں۔"

"اللہ مالک ہے جناب۔"

"اب تم لوگوں کو زندہ رکھ کر فائدہ بھی کیا ہے۔ نقصان ضرور ہے۔" اس کی آواز سنائی دی اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

کمروں کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں تھیں، ان میں موجود پلنگ دیوار کے ساتھ کھڑے کر کے وہ روشن دانوں تک پہنچ گئے تھے اور اس طرح دشمنوں پر گولیاں برسانے کے قابل ہو گئے تھے۔ اور اب تک ان کی پوزیشن بہت مضبوط تھی، لیکن باس کا نیا فیصلہ سن کر وہ پریشان ہو گئے۔

"اب ہم کیا کریں؟"

"کیا کر سکتے ہیں۔ کمروں کے دروازے کھولنے کی صورت میں گولیاں سینوں پر کھانا پڑیں گی۔"

"تو کیا ہوا، کھا لیں گے۔"

"باہر نکل کر بھی ان سے جنگ کرنا ہو گی۔ اور یہ لوگ تعداد میں ابھی بہت زیادہ ہیں۔"

"ہوں! تب پھر اللہ کو یاد کرو۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ابا جان خود ہی نبٹ لیں گے۔"

"کک۔ کیسے۔ انھیں تو بری طرح جکڑا گیا ہے۔" فاروق پریشان ہو گیا۔

"تب پھر۔ باہر نکلنے کا اعلان کر دو۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں ! یہ ٹھیک رہے گا۔" محمود نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا :

"ٹھہرو۔ ہم باہر آرہے ہیں۔"

اس کی بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ہم باہر آرہے ہیں۔ تم لوگ سُن رہے ہو۔"

"اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باس نے اپنے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا ہے۔ اب ہم ان کو آپ کا پیغام نہیں دے سکتے۔" باہر سے کسی نے کہا۔

"اچھا تو پھر تم لوگ ہی ہماری زد پر آ جاؤ۔" محمود نے کہا۔

"کیوں ! ہمارا دماغ چل گیا ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ارے۔ یہ۔ اس طرف کون ہے ؟" اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔ اور پھر اندھا دھند انداز میں ایک فائر جھونک مارا۔

دوسرے ہی لمحے ایک چیخ فضا میں گونج اُٹھی۔

"بہت خوب فرزانہ۔" محمود چہکا۔

"لیکن۔ سوال یہ ہے کہ یہ شخص اپنے مورچے سے نکل

کر ہماری طرف کیوں آرہا تھا ؟"

"شاید اس نے محسوس کیا تھا کہ ہم بے خبر ہیں۔ یا ہمارے پاس اسلحہ ختم ہو گیا ہے۔"

"حالاں کہ ان دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں۔" فارُوق بولا۔

"وُہ۔ اب آنے ہی والے ہوں گے۔" فرزانہ نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"کک۔ کون ؟" نیچے سے کسی نے کہا۔

"جن کو مَیں نے محل میں داخل ہونے کے بعد فون کیا تھا۔"

"کیا کہا۔" باہر سے چیخ کر کہا گیا۔

"ہاں ! میں نے محل میں داخل ہونے کے فوراً بعد یہ کام کیا تھا۔"

"لیکن دارالحکومت سے یہاں اتنی جلدی کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔"

"وُہ لوگ دارالحکومت میں نہیں، نزدیکی شہر میں مَوجُود ہیں۔" محمود نے کہا۔ اب وُہ دونوں سمجھے کہ فرزانہ کیا کام دکھا کر آئی ہے۔

"تم گپ اڑا رہے ہو۔"

"بہت جلد جان لو گے۔"

"اوہ۔ تب تو یہ خبر باس کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔"
کسی نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن باس تو کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر
چکے ہیں اور اب انسپکٹر جمشید کا خاتمہ کیے بغیر نہیں نکلیں
گے۔"

"جلدی کرو۔ دروازے پر دستک دے ڈالو۔" ایک دشمن
نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے انھوں نے ایک دشمن کو مورچے سے
نکل کر باس کے کمرے کی طرف دوڑ لگاتے دیکھا۔ اس نے
اگرچہ پوری کوشش کی تھی۔ کہ ان کی کسی گولی کی زد میں
نہ آسکے، لیکن محمود کی پھرتی کے آگے اس کی ایک نہ
چلی۔ فائر ہوا اور گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ وہ چکر
کاٹ کر گرا اور پھر اس کے جسم میں کوئی حرکت نہ
ہو سکی۔

"بہت اچھے۔ یہ رفتار بھی بری نہیں ہے۔" محمود نے خوش
ہو کر کہا۔

اسی وقت ایک اور آدمی نے سر ابھارا، لیکن فرزانہ
نے فوراً گولی داغ دی۔

"تم لوگوں کی شکست کا وقت آچکا ہے۔ اب تم بچ

نہیں سکو گے۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے
والد رسیوں میں جکڑے پڑے ہیں اور باس کی گولی کا نشانہ کسی
لمحے بھی بننے والے ہیں۔"

"ابھی تک تو گولی کی آواز سنائی دی نہیں۔" فاروق نے
طنزیہ لہجے میں کہا۔

"موت سے پہلے باس تمھارے والد کا حوصلہ آزما رہے
ہوں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو تمھارے باس کو مایوسی کا سامنا کرنا
پڑے گا۔" محمود مسکرایا۔

عین اسی وقت ایک گولی روشن دان کے فریم پر آ کر
لگی۔ محمود نے فوراً سر نیچے جھکا دیا:

"اوہو۔ یہ گولی کس طرف سے آئی ہے۔" اس نے بوکھلا
کر کہا۔

"اتنی باتیں کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہم روشن دانوں
کی سیدھ میں پہنچ جائیں۔ وہ بھی اس جگہ سے جہاں تم فائرنگ
نہ کر سکو؛ چنانچہ اب ہمارے ساتھی میز پر میز رکھ کر اس
پر چڑھ گئے ہیں اور برآمدے کا موڑ ان کی حفاظت کر رہا
ہے۔ گویا وہ روشن دانوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ تم انھیں

اپنی زد میں نہیں لے سکتے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

چند لمحے تک مکمل خاموشی طاری رہی، پھر اچانک باس کے کمرے میں پستول کی گولی چلنے کا دھماکا ہوا ــ

انھوں نے اپنے دل بیٹھتے محسوس کیے ــ

اٹل فیصلہ

"لو بھئی۔ انسپکٹر جمشید تو گئے کام سے۔ اب تم تینوں کی باری ہے۔" سرور طوفانی نے چلّا کر کہا۔

"اب۔ با۔ جان۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا اور پھر اس کا جسم دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ اس کے ہاتھ روشن دان سے ہٹ گئے تھے ــ

"فرزانہ! یہ کم ہمتی ہے۔ اس دنیا میں کوئی بھی ہمیشہ نہیں رہے گا۔" محمود بولا۔

"تم ــ میں کیا کروں محمود ــ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔"

"تب پھر موت سے پہلے شکست ہمیں آلے گی۔" محمود نے درشت آواز میں کہا۔

"اوہ ــ تب ــ تم ٹھیک کہتے ہو۔" فرزانہ نے کہا اور پھر پلنگ کے ذریعے اوپر چڑھنے لگی ــ

عین اسی وقت انھوں نے باس کی آواز سنی:

"سرور ، زاہد بلقانی ۔ سب ادھر آؤ ۔ ان تینوں کا خیال چھوڑ دو۔"

"او کے سر۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا اور باس کے کمرے کی طرف بڑھے ۔

اچانک دروازہ کھلا اور گولیوں کی بوچھاڑ ان پر ماری گئی ۔ وہ تڑاتڑ گرتے چلے گئے ۔ اتنے میں دروازہ بند ہو چکا تھا ۔

"ارے ! یہ کیا ہوا ۔ باس پاگل تو نہیں ہو گئے ؟" ایک زخمی نے چیخ کر کہا ۔

"پاگل وہ نہیں ۔ تم لوگ ہو گئے ہو۔" محمود چہکا ۔

"کیا مطلب ؟"

"لو مطلب سمجھ لو۔" محمود نے کہا اور فائرنگ شروع کر دی ۔ فرزانہ اور فاروق نے بھی دیر نہ لگائی ۔

ایک بار پھر وہ اچھل اچھل کر گرے ۔ افراتفری کے عالم میں وہ روشن دانوں کی طرف فائر کرنا بھی بھول گئے ۔

ایسے میں نہایت خاموشی سے باس کے کمرے کا دروازہ ایک بار پھر تھوڑا سا کھلا اور گولیاں برسنے لگیں ، پھر جلد ہی دروازہ بند ہو گیا ۔

"میدان اب ہمارے ہاتھ ہے۔" فاروق نے گویا اعلان

گیا ۔

"جلدی جلدی ان کا صفایا کرو۔" باس کے کمرے سے انسپکٹر شید کی آواز سنائی دی ۔

"فکر نہ کریں ابا جان ۔ صفایا کرنے کے ہم پرانے ماہر یں ۔ باس کا کیا بنا ؟"

"وہ اب رسیوں سے بندھا پڑا ہے۔"

"اور آپ نے رسیاں کس طرح کھول ڈالیں ؟"

"پرانا گر آزمایا تھا ۔ جسم کو پھلا لیا تھا ۔ بعد میں کڑنے کا عمل شروع کیا ۔ اس طرح رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں اور یں نے خود کو ان سے آزاد کرا لیا ، لیکن بظاہر رسیوں یں جکڑا پڑا رہا ، پھر جب باس اندر آیا تو اس کا رخ یری طرف تھا ۔ پستول کی نال بھی میری طرف تھی ۔ ابھی اس نے ٹریگر نہیں دبایا تھا کہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی ۔ وہ بھونچکا رہ گیا ۔ اس کی حیرت سے میں نے اور بھی فائدہ اٹھایا ؛ چنانچہ اس نے منہ کی کھائی ۔ میں نے اسے انھی رسیوں سے باندھ دیا ۔ اور ایک فائر دیوار پر جھونک مارا ۔ تاکہ ان لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ ان کے باس نے کام دکھا دیا ۔ اس کے بعد میں نے اپنا کام شروع کیا۔" وہ کہتے چلے گئے ۔

"آپ نے بہت خوب صورت کام شروع کیا تھا ابا جان، ویسے فرزانہ کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے اور آ کر رہے گی۔"

عین اسی وقت محل کے باہر سپیکر پر ایک آواز گونجنے لگی:

"خبردار۔ محل کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ محل سے باہر تمام لوگ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ لہٰذا محل میں موجود لوگ ہاتھ سروں سے بلند کر کے باہر نکل آئیں، ورنہ انھیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔"

آواز اکرام کی تھی۔ ان کے چہرے کھل گئے۔ ادھر اندر موجود باس کے ساتھیوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ باس کی گرفتاری کی خبر کیا کم تھی کہ یہ دوسرا اعلان انھیں سننا پڑ گیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ انسپکٹر جمشید سیدھے فون کی طرف گئے اور صدر صاحب کے نمبر ملانے گئے، جوں ہی سلسلہ ملا، وہ بولے:

"ہیلو سر۔ میں قصبہ جانی سے بول رہا ہوں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"پروگرام پہلے یہ تھا کہ میں نہایت خفیہ طریقے سے ان لوگوں کا صفایا کر دوں۔ اور آپ پر کوئی بات نہ آئے، لیکن اب ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں۔ بہت لمبا اور خوف ناک ہے۔"

"جلدی کہو جمشید۔" انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ یہیں تشریف لے آئیں۔ اور مہربانی فرما کر ہیلی کاپٹر میں ملکی اور غیر ملکی اخباری رپورٹرز ضرور ساتھ لائیں۔"

"اچھا! جیسے تمھاری مرضی۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

انھیں ایک گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا، پھر ہیلی کاپٹر آتا نظر آیا۔ آخر صدر مملکت صاحب، دوسرے اہم عہدے دار اور اخباری رپورٹر نیچے اترے۔

پہلے تو انسپکٹر جمشید نے تمام حالات اور واقعات سنائے، پھر ان سب کو لے کر سفید عمارت میں گئے۔

"اب ذرا اس عمارت کا اندر سے جائزہ لے لیں، پھر میں آپ کو مجرم سے ملواؤں گا۔"

"بہت سپنس نل انداز ہے آپ کا۔ میں بہت بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" ایک غیر ملکی اخباری رپورٹر مسکرایا۔

"جی بس۔ کیا کروں۔ مجبور ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بھی مسکرا کر کہا۔

عمارت کے اندر داخل ہونے کے بعد پہلا کمرہ کھولا گیا۔ اور پھر وہ اندر رکھی پیٹیاں دیکھ کر چونک اُٹھے:

"تو کیا ان میں معدنیات نہیں ہیں؟"

"اگر ان پیٹیوں میں صرف معدنیات ہوتیں تو میں ہرگز آپ لوگوں کو زحمت نہ دیتا۔"

"تب پھر۔ ان میں کیا ہے؟"

"انتہائی جدید ترین اور خطرناک ترین اسلحہ۔ صرف اس ایک کمرے میں نہیں۔ بلکہ تمام کمروں میں۔ ہر کمرے میں سیکڑوں پیٹیاں موجود ہیں۔ سب کی سب پیٹیاں ایسے ہی اسلحے سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس عمارت میں پچیس سے زائد کمرے ہیں۔ پیٹیاں بھی صرف فرش پر نہیں رکھیں بلکہ اُوپر تلے رکھی ہیں۔ یہاں تک کہ چھتوں تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ اسلحہ کس قدر ہے۔ اور کتنی مالیت کا ہے اور یہاں کیوں موجود ہے۔"

"اُف مالک۔" صدر صاحب کے منہ سے نکلا۔

فوٹو گرافروں اور رپورٹرز کے کیمرے حرکت میں آئے۔ پیٹیوں کو کھول کر بھی تصاویر لی گئیں۔ پھر وہ محل میں آ گئے۔

"سوال یہ ہے کہ اتنا اسلحہ یہاں آ کیسے گیا؟"

"بظاہر ان لوگوں کا تعلق ہمارے ہی مُلک سے ہے۔ یہ ہمارے ملک کے ہی لوگ ہیں، لیکن جب میں نے ان کو گرفتار کیا تو فوراً انشارجہ کی حکومت کو خبر ہو گئی۔ گویا یہاں سے براہِ راست وائرلیس پر رابطہ قائم کیا گیا تھا۔ اسی صورت میں اس قدر جلد آپ کو اطلاع دی گئی اور یہ کہا گیا کہ ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ پُرامن لوگ ہیں۔ معدنیات کانوں سے نکالتے ہیں۔ اور ان کا کیا قصور ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہو گا کہ میں تو بلاوجہ ان کے پیچھے پڑ گیا ہوں؛ چنانچہ آپ نے ان کو چھوڑنے کا حکم دے دیا، لیکن اب آپ دیکھ ہی رہے ہیں، اسلحے کی اس قدر مقدار کسی پُرامن مقصد کے لیے تو ہو نہیں سکتی، اور ان کا کہنا یہی ہے تو پھر ان کو بتانا ہو گا کہ وہ مقصد کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ پُرامن مقصد کے لیے تو ہر کام حکومت کی اجازت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ یہاں اسلحہ بارود وغیرہ چھپا کر بھیجا جاتا رہا ہے اور یہاں سے بھی معدنیات کے درمیان رکھ کر مختلف شہروں کو سپلائی کیا

جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"لیکن کن لوگوں کو۔ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں جمشید؟"

"کیوں مسٹر باس۔ ہمارے ملک کے شہروں میں اسلحہ کن لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے، لیکن اس نے نفرت زدہ انداز میں منہ دوسری طرف کر لیا۔

"گویا اس بات کا جواب دینا پسند نہیں۔ خیر۔ اس صورت میں میں خود جواب دوں گا۔ یہاں سے اسلحہ تمام تخریب پسند لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔ جو ملک میں توڑ پھوڑ مچا کر لوٹ مار کا بازار گرم رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اسلحے اور گولا بارود کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے بغیر یہ اپنے مقاصد پورے نہیں کر سکتے۔ اور اگر کوئی ایسے لوگوں کو مفت اسلحہ فراہم کرے تو ان کو اور کیا چاہیے۔ لہٰذا ایسے لوگ خوشی سے ان کا ارسال کردہ اسلحہ قبول کرتے ہیں اور ملک میں آئے دن ہنگاموں کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ شدید ضرورت اس بات کی تھی کہ ان راستوں کو بھی بند کیا جائے جن راستوں سے اسلحہ ان تک پہنچتا ہے۔ الحمد للہ آج ہم ایک راستا تو ضرور بند کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔"

"ہوں! بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ یہ حضرت ہیں کون؟"

"میں نے اسی لیے اس کے چہرے پر سے میک اپ نہیں اُتارا تھا۔ کہ پہلے اخباری رپورٹر اور فوٹوگرافر وغیرہ آ جائیں۔ تب اس کا اصل چہرہ سب کو دکھایا جائے۔"

"خیر۔ اب یہ کام ہو چکا ہے۔ اب میک اپ اُتار دو۔ ذرا ہم بھی تو دیکھ لیں۔ یہ کون ہے؟" صدر صاحب بولے۔

انسپکٹر جمشید اس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر جمشید باس کی بجائے فون کی طرف مڑ گئے:

"ہیلو۔ کون صاحب؟" انہوں نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔

"فون کا ریسیور صدر صاحب کو دے دو۔" ایک کھردری آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"پہلے آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ آپ کون ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تم نے سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا ہے؟"

"جی ہاں! سن چکا ہوں۔ آپ کیوں اپنا نام نہیں بتا رہے۔"

"بدتمیز۔ تم نہیں جانتے، کون بات کر رہا ہے۔ ریسیور

صدر صاحب کو دے دو۔"

"نہیں جناب۔ پہلے آپ نام بتائیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"ہوں۔ تو پھر سنو۔ میں انشارجہ کا صدر بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے تنگ آ کر کہا گیا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ صدر صاحب یہاں ہیں؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ وقت اِن باتوں کا نہیں۔ ریسیور ان کو دو۔"

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا اور ریسیور صدر صاحب کو دینے کی بجائے کریڈل پر رکھ دیا۔

"کون تھا جمشید؟"

"کوئی ان لوگوں کی سفارش کرنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے، آپ ان کی سفارش اب کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"اسی لیے میں نے ریسیور آپ کو نہیں دیا۔"

"کیا اس نے اپنا نام بتایا تھا؟" صدر صاحب نے پوچھا۔

"جی۔ جی ہاں۔ بتایا تو تھا۔" انسپکٹر جمشید اٹک اٹک کر بولے۔

"کون تھا وہ؟"

"یہ بات آپ پھر پوچھ لیجیے گا۔ پہلے ہم ان لوگوں کو تو جیل بھیج دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا۔

اب انسپکٹر جمشید باس کی طرف بڑھے۔ پختہ قسم کا میک اپ کئی منٹ کی کوشش کے بعد اُتر سکا۔ دُوسرے ہی لمحے صدر صاحب اور دُوسرے اہم عہدے داران چونک اُٹھے:

"ارے! یہ۔ یہ تو مسٹر کاربین ہیں۔ انشارجہ کے سفارت خانے کے انچارج آفیسر۔"

"لل۔ لیکن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ایک آفیسر بڑبڑائے۔

"کیا کس طرح ہو سکتا ہے جناب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"انشارجہ تو ہمارا دوست مُلک ہے۔ ونٹاس البتہ کھلم کھلا دشمنی ہم سے کرتا ہے۔ پھر بھلا انشارجہ کو کیا ضرورت کہ ہمارے مُلک کے شر پسند لوگوں کو مُفت اسلحہ فراہم کرے۔"

"یہی بات تو سوچنے کی ہے۔ آخر ایک دوست کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"تو کیا۔ ان کی سرگرمیوں سے انشارجہ کی حکومت واقف ہے؟" صدر صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا تو یہی اندازہ ہے۔"

"نن - نہیں۔ حکومتِ انشارجہ کو یہ تمام باتیں معلوم نہیں۔ ورنہ وہ ان لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتی - یہ لوگ ضرور انشارجہ کے بھیس میں وشتاس کے جاسوس ہیں۔" صدر صاحب نے کہا۔

"میں نے اس پہلو پر غور کیا تھا، لیکن ایسا امکان نظر نہیں آیا۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"اب آپ انشارجہ کے صدر سے بات کر ہی لیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

صدر صاحب کھوئے کھوئے انداز میں آگے بڑھے۔ ریسیور اٹھایا اور بولے:

"ہیلو!"

"ہیلو - یہ آپ ہیں - میں تو سمجھ رہا تھا، اس بار بھی انسپکٹر جمشید ہی بات کریں گے اور ریسیور رکھ دیں گے۔"

"نہیں! اس بار انھوں نے ریسیور نہیں اٹھایا، بلکہ مجھے ہی فون سننے کی دعوت دے ڈالی۔" صدرِ مملکت بولے۔

"یہاں جو کچھ ہو رہا ہے - اچھا نہیں ہو رہا - آپ لوگ ان لوگوں کو چھوڑ دیں، اس بستی کو اپنے حال پر چھوڑ کر یہاں سے لوٹ جائیں اور اس تمام واقعے کا ذکر تک کسی

اخبار میں نہ آنے پائے - ورنہ ہماری اور آپ کی دوستی ختم۔"

"آپ - آپ کیا کہ رہے ہیں سر۔" صدر صاحب نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"میں ٹھیک کہ رہا ہوں۔"

"کیا آپ جانتے ہیں - ان لوگوں کا سرغنہ کون ہے؟"

"ہاں! مسٹر کادین۔"

"اور یہ یہاں کیا کرتے رہے ہیں؟ یہ بھی آپ کے علم میں ہے۔"

"ہاں بالکل!"

"اور اس کے باوجود آپ چاہتے ہیں - میں ان لوگوں کو آزاد کر دوں اور وہ سب کچھ بدستور کرنے دوں - جو یہ کرتے رہے ہیں۔"

"ہاں! ہماری حکومت یہی چاہتی ہے۔"

"شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں - کیا ایک دوسرے ملک کے کچھ غنڈے اسلحے کے ٹرک لے کر آپ کے ملک میں داخل نہیں ہو گئے تھے - انھوں نے ایک شہر میں تین دن تک گولیاں نہیں برسائی تھیں اور تین دن کے بعد ان کو گرفتار کیا جا سکا، پھر ان کی حکومت کے حوالے کر دیا گیا - آخر

"اوہ ہاں! پہلی مرتبہ بھی جب میں نے ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا تو ان کو اطلاع ہو گئی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے ان کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔

"شاید اس کمرے میں کوئی آٹومیٹک وائرلیس سیٹ نصب ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ ہاں! اس کا امکان ہے۔"

"خیر۔ وہ سیٹ تو ہم بعد میں تلاش کریں گے۔ پہلے تو ان کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو گا۔" ایک آفیسر نے کہا۔

"جی نہیں گرمانی صاحب۔ پہلے اس سیٹ کو تلاش کر کے بے کار کرنا ہو گا۔ تاکہ ہمارا فیصلہ فوری طور پر ان کو معلوم نہ ہو سکے۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ایک دوسرے آفیسر نے کہا۔

"چلو بھئی۔ تلاش کرو۔" انسپکٹر جمشید نے ان تینوں سے کہا۔

"جی بہتر۔" فاروق مسکرایا۔

تینوں کمرے کا جائزہ لینے لگے۔

"کیوں وقت ضائع ہو گا۔ مسٹر کاوین آپ ہی بتا دیں۔ وائرلیس سیٹ کس جگہ موجود ہے؟"

"نہیں بتاؤں گا۔ اور تمہارے فرشتے بھی تلاش نہیں کر

سکیں گے۔"

"مسٹر سرور طوفانی۔ آپ بتا دیں، کیا سیٹ اسی کمرے میں موجود ہے نا؟"

"ہاں بالکل!" اس نے کہا۔

"تب آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس کو تلاش کر دکھائیں گے۔"

مود بولا۔

انھوں نے کمرے میں پندرہ منٹ تک کوشش کی۔ آخر اپنی ر پر آکر بیٹھ گئے۔

"کیوں۔ بس ہار مان لی؟" کاوین طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"جی نہیں۔ ہم سیٹ تلاش کر چکے ہیں۔"

"کیا کہا۔ تلاش کر چکے ہیں۔ تو پھر۔ کہاں ہے وہ؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"اس وقت یہاں دو سیٹ موجود ہیں۔ مسٹر کاوین اور مسٹر سرور طوفانی کی کلائیوں پر۔ دراصل سیٹ گھڑیوں میں ہی موجود ہیں۔" فرزانہ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

★

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر گھڑی نما وائرلیس سیٹ کا بٹن
اور سرور طوفانی کی کلائیوں پر سے اتار لیے۔ ان کا بغور جائزہ
لینے کے بعد انھوں نے انھیں بے کار کر دیا، پھر صدر صاحب
کی طرف مڑے۔

"اب یہاں ہونے والی گفتگو انشارجہ میں نہیں سنی
جا سکے گی۔"

"آپ لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟" صدر صاحب نے سب پر
ایک نظر ڈالی۔

"یہ معاملہ بہت سنگین قسم کا ہے۔ پوری کابینہ بیٹھ کر فیصلہ
کرے تو بہتر رہے گا۔" ایک افسر نے کہا۔

"ہاں! یہ معقول فیصلہ ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"کابینہ کچھ بھی فیصلہ کرے۔ میں ایک بات اسی وقت کہہ
دینا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سے دکھ جھلکنے لگا۔

"کہو جمشید۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"سر۔ اللہ کی کتاب سے بڑھ کر ہم لوگوں کے پاس کوئی
فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں
کے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔"

"ہاں جمشید۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن۔ آج کے دور کے
حالات۔" صدر صاحب نے کہنا چاہا۔

"حالات آج کے ہوں یا چودہ سو سال پہلے کے۔ قرآن کا
فیصلہ اٹل ہے۔ وہ قیامت تک کے لیے اٹل رہے گا۔"

"گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو پھانسی دے
دیں۔ جانتے ہیں، اس صورت میں کیا ہوگا۔" ایک صاحب بولے۔

"کیا ہوگا۔"

"ونباس تو پہلے ہی ہمارا دشمن ہے۔ ہمارا پڑوسی ملک شارجستان
بھی ہمارا دشمن ہے۔ اور اب انشارجہ بھی دشمن ہو جائے گا۔
آخر ہم کس کس اسلام دشمن طاقت کا مقابلہ کریں گے۔"

"میں عرض کرتا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال
کے بعد مسلمانوں کو بالکل اسی طرح چاروں طرف سے دشمن
طاقتوں نے اور ان کی سازشوں نے گھیر لیا تھا، لیکن حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی ایک دشمن کی طرف بھی
دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بلکہ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے،
ان کے اس اقدام سے اسلام کو جو عظمت حاصل ہوئی۔ وہ
سب پر عیاں ہے۔"

"تت۔ تم۔ جمشید۔ یہ کہنا چاہتے ہو۔ ہم کوئی پروا
نہ کریں۔ انشارجہ کی بھی۔"

"جی ہاں۔ ایک اور صرف ایک اللہ کی پروا کر لیں۔ یہی
ہمارے لیے کافی ہو جائے گا۔ یہ انشارجہ، وناٹس وغیرہ

اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مچھر کے ایک پر جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس لیے۔ ڈرنا ہی ہے تو اس اللہ سے کیوں نہ ڈریں" انھوں نے جذباتی آواز میں کہا۔

ان سب کے سر جھک گئے۔ سب کے سب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ انسپکٹر جمشید کے الفاظ ان کے کانوں میں گونجنے لگے۔ گونجتے چلے گئے۔ آخر صدر صاحب نے سر اُٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے:

"ٹھیک ہے جمشید۔ اب جو ہوتا ہے۔ ہو جائے۔ ہم سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈریں گے۔ یہی میرا فیصلہ ہے اور یہی فیصلہ ان شاء اللہ کابینہ کا ہوگا۔"

"آمین!" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

اور ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔